تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

02

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

www.tanzeem.org

مسلسل اشاعت کا
30واں سال

5 تا 11 جمادی الثانی 1442ھ / 19 تا 25 جنوری 2021ء

اجتماع نمبر

پاکستان کی سیاسی تحریکیں اور ان کا انجام

پیغام امیر تنظیم اسلامی

سورۃ العصر: منہج حیات

قرآنِ حکیم: کتاب ایمان وانقلاب

انفرادی نصب العین اور اجتماعی ہدف

ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟

سمع وطاعت کے تقاضے

رحماء بینھم

اقبال کا مردِ مومن

دعوت کے عملی تجربات

اس شمارے میں

پینل گفتگو

نبویؐ اندازِ تربیت

منہج انقلاب نبوی ﷺ

400 سالہ تجدیدی مساعی

سوشل میڈیا کا "جال" اور دعوتِ دین

امیر تنظیم کا اختتامی خطاب

الھدیٰ (920)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مسلمانوں کو احسان و مروت کی تعلیم

سُوْرَۃُ النُّوْر — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — آیت : 22

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾

آیت:۲۲ ﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ﴾ ’’اور قسم نہ کھالیں تم میں سے فضیلت اور کشادگی والے لوگ‘‘

﴿اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۖ﴾ ’’اس پر کہ وہ (اپنے اموال میں سے) دیں‘ قرابت داروں کو‘ مساکین کو اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں‘‘

یہاں فضیلت اور کشادگی کے روحانی اور مادی دونوں پہلو مراد ہیں‘ یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان‘ نیکی اور مال و دولت میں فضیلت دے رکھی ہے۔ اس آیت میں اشارہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ بدقسمتی سے آپؓ کے ایک قریبی عزیز مسطح بن اُثاثہ بھی مذکورہ بہتان کی مہم میں شریک ہو گئے تھے۔ وہ انتہائی غریب اور نادار تھے۔ آپؓ ان کے خاندان کی کفالت کرتے اور ہر طرح سے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے اس رویے سے بہت رنجیدہ ہوئے کہ اس شخص نے نہ رشتہ داری کا لحاظ کیا‘ نہ میرے احسانات کو مدنظر رکھا اور بغیر سوچے سمجھے میری بیٹی پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو گیا۔ چنانچہ آپؓ نے غصے میں آکر قسم کھالی کہ آئندہ میں اس شخص کی بالکل کوئی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی اس قسم پر گرفت فرمائی کہ اس شخص سے جو غلطی ہوئی سو ہوئی‘ لیکن آپؓ تو بھلائی اور احسان کی روش ترک کرنے کی قسم مت کھائیں! یہ رویہ کسی طرح بھی آپؓ کی فضیلت و مرتبت کے شایانِ شان نہیں۔

﴿وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ﴾ ’’اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔‘‘

﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾﴾ ’’کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت مہربان ہے۔‘‘

خطا تو کسی بھی شخص سے ہو سکتی ہے۔ تم سب لوگ خطائیں کرتے ہو اور اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ سے پہلے کی طرح بھلائی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے لگے۔

فرمانِ نبویؐ

ہوشیار اور دور اندیش انسان

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ رَجُلٌ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ ((مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَکْثَرُھُمْ ذِکْرًا لِلْمَوْتِ وَ اَکْثَرُھُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰٓئِکَ الْاَکْیَاسُ ذَھَبُوْ بِشَرَفِ الدُّنْیَا وَکَرَامَۃِ الْاٰخِرَۃِ)) (رواہ الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ’’اے اللہ کے نبیؐ! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار رہتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں‘ انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔

تشریح: جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے‘ جس کے لیے کبھی فنا نہیں‘ تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں‘ اور اس کے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
5 تا 11 جمادی الثانی 1442ھ
19 تا 25 جنوری 2021ء
جلد 30
شمارہ 02
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت خصوصی شمارہ 40 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ..... 600 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کی سیاسی تحریکیں اور ان کا انجام

مملکتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان یقیناً عطیہ خداوندی ہے۔ جن حالات میں مسلمانوں کو یہ ملک ملا یہ ایک معجزاتی عمل تھا۔ مقتدر قوت انگریز اور ہندوستان کی غالب اکثریتی ہندو آبادی دونوں مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ وقت کا برطانوی وزیراعظم Clement Attlee اعلانیہ قائداعظم سے اظہارِ نفرت کرتا تھا۔ 1940ء کی قرارداد لاہور میں پاکستان کا لفظ تک نہیں تھا۔ لیکن سات سال کے قلیل عرصہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ لہٰذا اِس پس منظر میں پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کو معجزہ کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ لیکن سر کی آنکھوں سے نظر آنے والے ذرائع کے مطابق پاکستان ایک زبردست سیاسی تحریک کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس جماعت (مسلم لیگ) نے یہ تحریک چلائی وہ خود کوئی باقاعدہ منظم سیاسی جماعت نہیں تھی۔ لیکن ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' اور ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' جیسے نعروں نے اتنا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا کہ نظم کی کمزوری دب کر رہ گئی اور تحریکیت مسلم لیگ کے قائدین کے کندھوں پر اِس زور آور طریقہ سے سوار ہوگئی کہ وہ اِس کے نیچے سے کندھا کھسکا نہیں سکتے تھے۔ پھر یہ کہ قائداعظم کی کرشماتی شخصیت نے بھی انگریز کی قوت اور ہندو کی اکثریت کو چاروں شانے چت گرانے میں اہم رول ادا کیا۔

بہرحال اِس نوزائیدہ ریاست پاکستان کو تحریکیت اور غیر منظم سیاست بطور گھٹی ملی۔ آج پاکستان تہتر سال کا ہو چکا ہے اور اِس میں جو سیاسی تحریکیں برپا ہوئیں۔ اُن کا ہم مختصراً ذکر کرنے کی کوشش کریں۔ گے جس سے ہمیں پاکستانی قوم کا سیاسی شاکلہ سمجھنے میں مدد ملے گی۔ پاکستان میں سب سے پہلے 1953ء میں ایک تحریک چلی۔ ظاہراً یہ ایک مذہبی تحریک تھی۔ یہ اینٹی قادیانی تحریک تھی، لیکن اِس کی ہلچل صرف پنجاب تک محدود تھی۔ ہماری نظر میں اِس تحریک کے محرکات اصلاً اساسی تھے۔ پنجاب کے وزیراعلیٰ ممتاز احمد خان دولتانہ مرکز میں خواجہ ناظم الدین کی جگہ وزیراعظم بننا چاہتے تھے۔ جماعتِ اسلامی جو 1951ء کے پنجاب کے انتخابات میں بُری طرح پٹ گئی تھی، اُس نے اپنی سیاسی حیثیت بحال کرنے کے لیے اِس تحریکی لہر پر سوار ہونے کی کوشش کی۔ کچھ دوسرے مذہبی رہنما بھی میدان میں آ گئے۔ کئی قادیانیوں کے گھر جلا دیے گئے۔ لاہور میں اعظم خان نے مارشل لاء لگا دیا جس سے تحریک دب گئی۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار خان نیازی کو عدالت نے سزائے موت سنا دی۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان سزاؤں پر عملدرآمد نہ ہوسکا۔ البتہ اِس غیر منظم پُرتشدد تحریک کی ناکامی نے قادیانیوں کو مظلوم بنا دیا اور اُن کی پوزیشن پہلے سے مضبوط ہوگئی۔ اِس کے بعد باقاعدہ عوامی تحریک 1968ء میں فوجی صدر فیلڈ مارشل ایوب خان کے خلاف چلائی گئی۔ ایوب خان نے 17 اکتوبر 1958ء کو مکمل طور پر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کو اس کا جواز

بنایا۔ کیونکہ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد 1951ء سے 1958ء تک 6 سال میں 6 وزیراعظم بدلے۔ اُس دور میں بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کا یہ جملہ بہت مشہور ہوا تھا کہ میں اتنے کپڑے نہیں بدلتا جتنے پاکستان میں وزیراعظم بدلتے ہیں۔ ایوب خان نے دس سال اس طرح حکومت کی کہ ہر طرف اُن کا طوطی بولتا تھا اور ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اُٹھ سکتی تھی۔ یقیناً اس دور میں استحکام آیا۔ پاکستان میں صنعتیں لگائی گئیں۔ معاشی صورتِ حال بہتر ہوئی۔ پاکستان ایک مضبوط ملک نظر آنے لگا لیکن شدید سیاسی حبس تھا۔ ون یونٹ تو پہلے ہی قائم ہو چکا تھا اور یہ تاثر تھا کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان پر حکمران ہے۔ اقتصادی ترقی مشرقی پاکستان میں اچھی خاصی ہوئی، لیکن وہاں سیاسی بے چینی میں بہت اضافہ ہوا۔

1965ء کی جنگ میں پاکستان کی فتح کا تاثر اُبھرا، لیکن یہ بات بھی سامنے آئی کہ مشرقی پاکستان کے دفاع کا سرے سے کوئی بندوبست ہی نہیں تھا۔ اس بات کو شیخ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ نے خوب اُچھالا اور پہلی مرتبہ 6 نکات سامنے آئے۔ جنہیں غداری کے مترادف قرار دے دیا گیا۔ اِس جنگ کے حوالے سے تاشقند میں پاکستان اور بھارت کے درمیان معاہدہ طے پایا جو معاہدہ تاشقند کہلایا۔ اِس معاہدے کے حوالے سے یہ سرگوشیاں سامنے آنا شروع ہو گئیں کہ یہ معاہدہ پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی مرضی کے خلاف ہوا ہے۔ اُن کی منہ بسورتے ہوئے چند تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ لیکن فوری طور پر اُن کی طرف سے کوئی واضح اور اعلانیہ مخالفت سامنے نہ آئی۔ اعلان تاشقند کے تحت بھٹو اور سورن سنگھ مذاکرات کے سات راؤنڈ ہوئے۔ ہر راؤنڈ کے بعد بھٹو صاحب مذاکرات کے بے کار اور بے معنی ہونے کا تاثر دیتے رہے۔ اسی وجہ سے عوامی سطح پر کھسر پھسر جاری رہی کہ تاشقند معاہدے کی وجہ سے بھٹو اور ایوب خان میں اختلافات شدت اختیار کر چکے ہیں۔ حالانکہ جنگ سے قبل دونوں میں قرب کا یہ عالم تھا کہ بھٹو ایوب خان کو ڈیڈی کہتے تھے اور فاطمہ جناح کے خلاف صدارتی الیکشن میں بھٹو ایوب خان کے چیف پولنگ ایجنٹ تھے اور یہ مضحکہ خیز تجویز بھی بھٹو کی طرف سے سامنے آئی تھی کہ ہر ضلع کے D.C کو مسلم لیگ (کنونشن) کا ضلعی صدر بنایا جائے اور ہر ایس پی سٹی مسلم لیگ (کنونشن) کا جنرل سیکرٹری ہو۔

بہرحال عوامی خدشات درست ثابت ہوئے۔ بھٹو حکومت سے الگ ہو گئے یا کر دیے گئے لیکن بھٹو کا تاثر عوامی سطح پر بہت بلند ہو چکا تھا۔ بھٹو کی جگہ شریف الدین پیرزادہ وزیر خارجہ بنے۔ لیکن عوام انھیں ہرگز بھٹو کا جانشین تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ بھٹو کو پاک چین تعلقات کا بانی اور معمار بھی کہا جانے لگا۔ حالانکہ تاریخی طور پر یہ بات مکمل طور پر درست نہ تھی اگرچہ بھٹو نے اِن تعلقات کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں رول ادا کیا تھا۔ عوامی سطح پر ایوب خان کا گراف مسلسل نیچے جا رہا تھا اور بھٹو پنجاب اور سندھ میں مقبولیت کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئے۔ پاکستانی عوام کا ایک مزاج یہ بھی ہے کہ وہ گیارہ سال سے ایوب خان کا نام سن سن کر تنگ آ چکے تھے اور اب وہ تبدیلی کے خواہش مند تھے۔ کوئی بڑا واقعہ پیش نہیں آیا، کوئی بڑا حادثہ نہ ہوا، صرف چینی چند آنے مہنگی ہو گئی اور کالج کے لڑکوں کا ایک بڑا گروپ پہاڑی علاقے سے واپس آ رہا تھا کہ اُس کی پولیس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ چند لڑکے زخمی ہو گئے اور شاید بعد ازاں ایک دو چل بسے۔ اِس حادثے کے بعد پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ میدان میں آ گئے اور ہر روز حکومت کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ پولیس سے جھڑپیں معمول بن گئیں۔ سیاست دانوں نے صورتِ حال سے فائدہ اُٹھایا اور ملک بھر میں روزانہ کی بنیاد پر مظاہرے شروع ہو گئے۔ مشرقی پاکستان میں قوم پرستوں نے گھیراؤ جلاؤ بھی شروع کر دیا۔ ایوب خان نے سیاست دانوں کو مذاکرات کی دعوت دی اور خود اگلے انتخابات میں حصہ نہ لینے کا اعلان کر دیا۔ علاوہ ازیں اگرتلہ سازش کیس میں ملوث شیخ مجیب الرحمٰن سمیت تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان بھی کر دیا، جس پر فریقین کے درمیان گول میز کانفرنس کا انعقاد طے پا گیا۔ لیکن اصغر خان اور ذوالفقار علی بھٹو نے عین وقت پر کانفرنس کا بائیکاٹ کر کے اِس کا انعقاد روک دیا۔ لہٰذا پُرامن حل نکلنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ شنید یہ ہے کہ ایوب خان سے ون یونٹ توڑنے کا مطالبہ کیا گیا جو اُس نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں پاکستان توڑنے کے کسی عمل کا حصہ نہیں بن سکتا۔

حالات بگاڑ کی طرف جا رہے تھے 25 جنوری 1969ء کو ایوب خان نے قوم سے خطاب کیا اور اقتدار سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اِس خطاب میں بھی اُس نے اپنی اِس بات کو دہرایا کہ میں پاکستان کو توڑنے کے کسی عمل میں حصہ نہیں ڈال سکتا۔ البتہ اُس نے ظلم یہ کیا کہ اپنے ہی بنائے ہوئے آئین کی خلاف ورزی کی اور اقتدار سپیکر قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کی بجائے آرمی چیف یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا ہم ایوب خان کے خلاف اِس تحریک کو عملی طور پر کامیاب قرار دیں گے۔ اِس لیے کہ تمام سیاسی جماعتیں صرف اور صرف ایوب حکومت کی دشمنی میں جمع ہو گئی تھیں۔ کسی اُصول کا سوال نہ تھا۔ دائیں اور بائیں بازو کی جماعتیں آپس کی پرانی دشمنی کو بھلا کر صرف یک نکاتی ایجنڈے پر متفق تھیں کہ ایوب خان کی حکومت کو گرانا ہے۔ اُنھیں اِس سے کوئی تعلق نہیں تھا کہ ملک کے لیے یہ سودمند رہتا ہے یا نقصان دہ رہتا ہے۔ لہٰذا وقت کے آئین کی خلاف ورزی اور نئے مارشل لاء کی آمد اُنھیں ناگوار نہ گزری۔ یحییٰ خان نے سیاست دانوں کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے آئین ساز اسمبلی کے لیے عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ البتہ ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ اِسے ہر صورت میں 120 دن کے اندر اندر ہی نیا آئین بنانا ہوگا وگرنہ یہ اسمبلی خود بخود تحلیل ہو جائے گی۔ گویا اسمبلی کے سر پر 120 دن کی تلوار لٹکا دی۔ L.F.O (Legal Framework Order) کی یہ شق اُس کی بدنیتی کی نشاندہی کرتی ہے۔

انتخابات ہوئے۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن کی جماعت نے سویپ کیا۔ پنجاب اور سندھ میں بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی کیونکہ یحییٰ خان نے سیاست دانوں کے مطالبے پر ون یونٹ ختم کر دیا تھا۔ قومی اسمبلی میں زیادہ نشستوں کی وجہ سے اُصولی طور پر شیخ مجیب الرحمن کو اقتدار منتقل ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن بھٹو بضد تھا کہ اسمبلی کے اجلاس سے پہلے اُس سے مذاکرات کیے جائیں اور اقتدار میں اُسے حصہ دیا جائے۔ یحییٰ خان دونوں کی لڑائی سے خوش تھا کہ اگر یہ لڑتے رہے تو اقتدار منتقل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اُس کی حکومت چلتی رہے گی۔ قومی اسمبلی کا اجلاس

ڈھاکہ میں طلب کر لیا گیا لیکن بھٹو نے لاہور کے ایک جلسہ عام میں کہا کہ میرا جو ممبر ڈھاکہ جائے گا میں اُس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ صرف احمد رضا قصوری نے اعلانِ بغاوت کیا، اُس کے ساتھ جو ہوا وہ بعد کا قصہ ہے۔ یحییٰ خان نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا، جس سے مشرقی پاکستان میں انتہائی خوفناک ہنگامے پھوٹ پڑے۔ باقی تاریخ سب کو معلوم ہے پاکستان دولخت ہوا۔ پاکستان کی فوج کو بڑی ذلت آمیز انداز میں بھارتیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

بہرحال بنگلہ دیش وجود میں آ گیا اور بقول میڈیا What Remains of Pakistan کو مغربی پاکستان نہیں صرف پاکستان کہا جانے لگا۔ بنگلہ دیش میں شیخ مجیب الرحمن نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو حکمران بن گئے اور یہ بھی انسانی تاریخ کا لطیفہ ہوا کہ ایک سویلین Chief Martial Law Administrator بن بیٹھا۔ 1973ء میں پاکستان کا آئین بن گیا کچھ سیاسی استحکام کی اُمیدیں بندھ گئیں۔ 1974ء میں ایک اور تحریک شروع ہوئی یہ اصل اینٹی قادیانی تحریک تھی اور شاید خالصتاً مذہبی بنیادوں پر تھی۔ مولانا یوسف بنوریؒ نے اس تحریک کو لیڈ کیا۔ قادیانیوں کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ اُنھیں اقلیت قرار دینے کا زوردار مطالبہ ہوا۔ لیکن اِس مرتبہ تشدد سے اجتناب کیا گیا۔ بھٹو کے سیاسی دشمنوں نے بھی بھٹو سے کہا کہ اگر وہ قادیانیوں کو اپنے تئیں غیر مسلم اور کافر قرار دے دے تو وہ قوم کا ہیرو بن جائے گا۔ لیکن بھٹو نے عقلمندی کا مظاہرہ کیا اور کسی یکطرفہ اعلان سے انکار کر دیا۔ اُس نے مذہبی جماعتوں سے کہا کہ مسئلہ کو پارلیمنٹ میں ڈسکس کرتے ہیں۔ قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر کو اسمبلی میں طلب کیا گیا۔ مذہبی رہنماؤں نے کمال دانش مندی سے مرزا ناصر کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ جو مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔ قادیانی غیر مسلم قرار دے دیے گئے۔ کاش اُس وقت قانون میں یہ بات بھی شامل کر دی جاتی کہ موجودہ قادیانیوں کو تو رعایت دی جا سکتی ہے۔ لیکن آئندہ اگر کوئی مسلمان قادیانی ہوا تو وہ مرتد قرار پائے گا اور اُسے مرتد کی شرعی سزا دی جائے گی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو اُن کی یہ ریشہ دوانیاں ختم ہو چکی ہوتیں، جو وہ آج امتِ مسلمہ خاص طور پر پاکستان کے خلاف کر رہے ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ بھٹو کے اپوزیشن کے ساتھ تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے۔ آئین کے مطابق انتخابات کے انعقاد میں ابھی کافی وقت تھا۔ لیکن بھٹو نے محسوس کیا کہ اپوزیشن اِس وقت بُری طرح منتشر ہے اور اچانک 7 مارچ 1977ء کو انتخابات کا اعلان کر دیا۔ لیکن انتخابات کے اعلان کے ساتھ ساتھ ہی منتشر اپوزیشن یوں متحد ہوئی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ پاکستان نیشنل الائنس کے نام سے 9 جماعتی اتحاد قائم ہو گیا، جنہیں بعد ازاں نو ستارے کہا جانے لگا۔ ایک بار پھر اتحاد کسی اُصول کسی نظریہ کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ بھٹو دشمنی میں سب اکٹھے ہو گئے۔ قومی اسمبلی کے نتائج سامنے آئے تو PPP کامیاب ٹھہری۔ پاکستان قومی اتحاد کو بُری طرح شکست ہوئی۔ لیکن اپوزیشن نے نتائج ماننے سے انکار کر دیا اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جو دو دن بعد ہونا تھے، اُن کا بائیکاٹ کر دیا۔ بائیکاٹ اتنا مکمل تھا کہ ووٹنگ کے دن سڑکیں سنسان تھیں۔ اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ عوام مکمل طور پر اپوزیشن کے ساتھ تھے اور انتخابات میں دھاندلی کی توثیق کر رہے تھے۔ یہ بات جزوی طور پر تو درست ہوگی، لیکن اصل بات یہ تھی کہ بائیکاٹ کی وجہ سے عوام نے سمجھ لیا تھا کہ اب الیکشن یک طرفہ کارروائی ہے اور ہنگاموں کا خطرہ ہے۔ لہٰذا اِس وجہ سے بھی لوگوں نے گھروں سے نکلنے سے اجتناب کیا۔ دھاندلی کے خلاف تحریک چند دن چلی لیکن جلد ہی کمزور پڑنا شروع ہو گئی۔ لیکن محرکین کو سمجھایا گیا کہ اِس تحریک کو نظامِ مصطفیٰ ﷺ تحریک کا لیبل لگا کر مذہبی رنگ میں رنگ دو۔ لوگوں کے مذہبی جذبات کو اُبھارو اور اُنھیں مشتعل کرو ترکیب ہمیشہ کی طرح بڑی کامیاب رہی۔ اِس موقعہ پر ہنری کسنجر کی طرف سے بھٹو کو لگائی گئی دھمکی کا ذکر ضروری ہے، جس نے گورنر ہاؤس لاہور میں بھٹو سے کہا تھا کہ اگر تم نے ایٹمی حوالے سے اپنی پالیسی تبدیل نہ کی تو ہم تمہیں نشانِ عبرت بنا دیں گے۔

ہم نے دیکھا کہ تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ پر ڈالروں کی بارش ہوئی۔ قومی اتحاد کے دفاتر میں پاکستانی کرنسی کی ناقدری دیدنی تھی۔ لہٰذا مالی وسائل جب مذہبی جذبات سے یکجا ہو گئے تو وہ حکومت کی کھڑی کی گئی دیوار کو پاش پاش کرتے چلے گئے۔ کارکنوں نے بڑے جذبے سے قربانیاں دیں اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نعرے پر اپنے خون کا نذرانہ بے دریغ پیش کیا۔ البتہ لیڈروں کا ہدف صرف بھٹو کو ہٹانا تھا۔ بدترین سیکولرازم پر یقین رکھنے والے لوگ نعتیں پڑھنے والوں اور حمد و ثنا کرنے والوں کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سڑکوں پر مظاہرے کر رہے تھے۔ فلک نے عجیب و غریب تماشے دیکھے۔ ایک روز مظاہرین بیگم نسیم ولی خان کو جو کٹر سیکولر جماعت اے این پی کی خاتون لیڈر تھیں، اُنھیں مسجد شہداء میں لے گئے اور منبر رسول پر بٹھا کر اُن سے تقریر کا مطالبہ کیا نہ آسمان پھٹا نہ زمین دھنسی کہ یہ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ تھی۔ بھٹو مذاکرات پر مجبور ہوا۔ مذاکرات کی کامیابی کا اعلان ہو گیا کہ انتخابات دوبارہ کرائے جائیں گے۔ بھٹو خود کو پُر اعتماد ظاہر کرنے کے لیے عرب ممالک کے دورے پر چلا گیا۔ جنرل ضیاء الحق جو آرمی چیف تھا اور بھٹو کے سامنے یوں پیش ہوتا تھا جیسے کوئی رکوع میں جاتا ہے اُس کی نیت میں فتور آ چکا تھا، اُدھر امریکہ اُس کی پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔

5 جولائی 1977ء کو ضیاء الحق نے شب خون مارا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ بھٹو سے نجات حاصل ہو گئی، مکمل فتح حاصل ہو گئی۔ اب نظامِ مصطفیٰ ﷺ کسی کو یاد نہیں تھا۔ جماعتِ اسلامی سمیت قومی اتحاد والوں کو ضیاء الحق کی حکومت میں وزارتیں مل گئیں۔ ضیاء الحق اسلام کی باتیں کرتا رہا اور انتخابات کی نئی سے نئی تاریخیں دیتا رہا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ بھٹو پھر خاطر خواہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اُس موقعہ پر ولی خان نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا کہ قبر ایک ہے اور بندے دو ہیں۔ انتخابات کی نوبت نہ آئی۔ بھٹو کو پہلے ہی قبر میں پہنچا دیا گیا۔ ضیاء الحق کے دور میں کوئی بڑی تحریک برپا نہ ہو سکی۔ صرف سندھ کی سطح پر ایم آر ڈی کے نام سے ایک تحریک اُٹھانے کی کوشش کی گئی۔ یہ پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کے سیاست دانوں کی تحریک تھی۔ لیکن دائیں بازو کے سیاست دانوں، اہل پنجاب اور مذہبی لوگوں نے اِس میں خاص دلچسپی نہ لی۔ جس سے یہ تحریک ناکام ہو گئی۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے بعد دو وجوہات کی بنا پر پاکستان میں زوردار عوامی تحریکیں برپا ہونا بند ہو گئیں۔ ایک تو نظامِ مصطفیٰ ﷺ جیسی عظیم تحریک کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا جس سے عوام مایوس

ہوئے۔ دوسرا یہ کہ ضیاء الحق نے آئین میں آٹھویں ترمیم کی جس نے صدر پاکستان کو یہ حق دے دیا کہ وہ قومی اسمبلی اور گورنر صوبائی اسمبلی تحلیل کر سکتا ہے اور ہماری تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ سیاسی تحریکوں کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہ وقت کی حکومت کو ختم کیا جائے اور یہ کام اب آٹھویں ترمیم سے ممکن ہو گیا۔ لہٰذا ضیاء الحق کے بعد جب نواز شریف اور بے نظیر بھٹو حصول اقتدار کے لیے آمنے سامنے آئے تو دونوں کسی عوامی تحریک کی بجائے ایک دوسرے کی حکومت کو فوج اور صدر کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر گراتے رہے۔

نواز شریف جب دوسری مرتبہ انتخابات جیتے تو انھیں دو تہائی اکثریت حاصل ہو گئی، جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُنھوں نے صدر کا قومی اسمبلی تحلیل کرنے کا اختیار ختم کر دیا۔ نواز شریف کا خیال تھا کہ مارشل لاء کا زمانہ گزر گیا ہے کیونکہ امریکہ کہیں بھی مارشل لاء کو برداشت نہیں کرے گا اور صدر کو تو ویسے ہی مفلوج کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اُس نے اپنا رویہ جرنیلوں سے بالکل بدل لیا۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ افغانستان میں امریکہ کو پاکستان کی فوج کی ایسی ضرورت پڑے گی کہ پہلے کبھی نہ پڑی ہو گی، پینٹاگون نے وائٹ ہاؤس کی مرضی کے خلاف پاکستان میں پرویز مشرف کے ہاتھوں مارشل لاء لگوا دیا اور 9 سال تک پوری طرح استعمال کیا۔ عوام میں پرویز مشرف کے خلاف شدید غم وغصہ کے باوجود پاکستان میں کوئی زبردست عوامی تحریک تو نہ چل سکی البتہ وکلاء کی تحریک شروع ہوئی (جو بعد میں زرداری کے دور میں چیف جسٹس کی بحالی کی شکل میں پایۂ تکمیل کو پہنچی)۔

9 سال بعد خود امریکہ نے ہی مشرف کو استعمال شدہ ٹشو کی طرح ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ اب نواز شریف اور بے نظیر بظاہر میثاقِ جمہوریت کے نتیجے میں کافی قریب آ چکے تھی اور بے نظیر کے المناک حادثے کے نتیجے میں اقتدار کی پہلی باری زرداری نے حاصل کی۔ اُس کے دور میں وکلاء تحریک کے علاوہ طاہر القادری نے بھی ایک ناکام دھرنا دیا۔

2013ء کے انتخابات میں نواز شریف کامیاب ہوئے تو عمران خان نے پہلے تو انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تحریک چلائی۔ اسلام آباد میں 126 دن کا دھرنا دیا۔ جو قوت کا ایک مناسب اظہار تو تھا، لیکن وہ حکومت کو گرانے میں ناکام ہوئے۔ بعد ازاں جب نواز شریف کا نام پانامہ لیکس میں آ گیا تو ایک دفعہ پھر زبردست تحریک چلائی، مگر وہ تحریک سے براہِ راست حکومت کو پھر بھی نہ گرا سکے۔ البتہ اس تحریک کا یہ اثر ضرور ہوا کہ کیس سپریم کورٹ چلا گیا اور نواز شریف بحیثیت وزیر اعظم نا اہل ہو گئے۔ لیکن حکومت PML-N کے پاس ہی رہی۔ 2018ء کے انتخابات میں تحریکِ انصاف معمولی اکثریت سے حکومت بنانے میں کامیاب تو ہو گئی، لیکن تمام دوسری جماعتوں نے انتخابات کے نتائج کو یکسر مسترد کر دیا جو اس وقت PDM کے نام سے تحریک چلا رہی ہیں۔

PDM میں گیارہ جماعتیں ہیں۔ مولانا فضل الرحمن اور نواز شریف کے چونکہ کوئی سٹی کس (Stakes) نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ بڑے Desperate ہیں، جس نے تحریک کو شدید نقصان بھی پہنچایا ہے۔ اُن کا انداز سیاست تو اس وقت کچھ یوں ہے کہ ہم نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔ جبکہ مولانا فضل الرحمن اور نواز شریف کے علاوہ کوئی دوسری جماعت ایسی سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار نہیں، جس سے اُس کے اپنے مفادات پر کوئی بڑی زد پڑے۔ خصوصاً پاکستان پیپلز پارٹی تو سندھ حکومت چھوڑنے کو ہرگز تیار نہیں کیونکہ آج اگر عمران خان کی حکومت گر جائے تو پاکستان پیپلز پارٹی کا کسی سطح پر کوئی چانس نہیں بنتا۔ بلاول 2023ء میں 35 برس کا ہو گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ عمران خان ڈلیور نہیں کر پا رہا، 2023ء تک اس کی حکومت مزید بدنام اور غیر مقبول ہو جائے گی اور PML-N نے مقتدر حلقوں سے براہِ راست تصادم مول لے لیا ہے۔ لہٰذا میرا چانس بن جائے گا۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ میں حکومت کا ناقد تو بنا رہوں، لیکن یہ فوری طور پر گرنے نہ پائے۔ تا آنکہ میری آئینی عمر پوری ہو جائے اور میں عمران خان کے خلاف کلیدی اپوزیشن لیڈر بن کر سامنے آؤں۔ لہٰذا بعض اچھے جلسے کرنے کے باوجود بھی تحریک کا Momentum نہیں بن رہا۔

پھر تحریکوں میں محض تاریخیں ہی نہیں دی جاتیں کہ فلاں تاریخ کو یہ کریں گے اور فلاں کو یہ کریں گے بلکہ تحریک تو جہد مسلسل کا نام ہے جس کے دوران ایک ایک دن میں ملک بھر میں کئی جلسے اور کئی مظاہرے ہو رہے ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ آج تک کی چلنے والی تحریکوں کے جائزے کے تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ PDM کی تحریک کسی صورت کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اس لیے کہ نہ تو مقتدر قوتیں ساتھ ہیں (اور طرزِ عمل یہ ہے کہ کبھی اندر خانے مقتدر قوتوں سے رابطے کرتے ہیں اور کبھی اُنھیں سرعام بُرا بھلا کہتے ہیں یعنی اس حوالے سے مکمل طور پر کنفیوژن کا شکار ہیں) اور نہ ہی عوام کا وہ سیلاب ہے جو ایوب خان اور بھٹو کے خلاف چلنے والی تحریکوں کی طرح مقتدر قوتوں کو بھی بے بس کر دے۔ حالانکہ صورتحال یہ ہے کہ عوام کا ایک بہت بڑا حصہ مہنگائی کی وجہ سے حکومت سے نالاں ہے، اس کے علاوہ گورننس کا بھی شدید مسئلہ ہے لیکن PDM اچھے خاصے ووٹ رکھنے اور حکومت کے غیر مقبول ہونے کے باوجود بھی لوگوں کو متحرک کرنے میں بُری طرح ناکام رہی ہے۔ لہٰذا زمینی اسباب کے حوالے سے اِس تحریک کا انجام ناکامی ہی نظر آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں چلنے والی ساری تحریکیں نہ تو سیاسی استحکام پیدا کر سکیں اور نہ ہی عوام کے معاشی و معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح پاکستان ایک زبردست سیاسی تحریک کے نتیجے میں معجزتاً وجود میں آیا، اسی طرح پاکستان کی بقاء و استحکام کے لیے بھی ضروری ہے کہ تمام سیاسی و دینی جماعتیں اپنے وقتی و سیاسی مفادات کو تج کر پاکستان کے حقیقی مقصد یعنی خلافت راشدہ کی طرز پر عادلانہ نظام کے لیے ایک پُرامن، منظم اور عوامی تحریک چلائیں تا کہ اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا ہو اور اللہ بھی اپنے وعدے کے مطابق اسی طرح ہماری معجزانہ مدد کرے جس طرح اس نے قیام پاکستان کے وقت ہماری مدد کی تھی ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام

رفقائے تنظیم اسلامی کے نام!

محترم رفقائے تنظیم اسلامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمیں سالانہ اجتماع کے حوالے سے انتظار تھا، رب کریم کی توفیق سے وہ ایام آیا چاہتے ہیں اور یقیناً آپ تک اطلاع پہنچ چکی ہوگی کہ محض رب کائنات کے فضل وکرم سے تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع 2020ء (20-21-22 نومبر 2020ء) مرکزی اجتماع گاہ بہاولپور میں منعقد ہوگا۔ ان شاء اللہ! آج اسی کے تعلق سے آپ کے سامنے کچھ گزارشات رکھنی ہیں۔ سورۃ التغابن کی آیت 16 جو ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اپنی حدِ امکان تک' اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جو کوئی اپنے جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

رب کائنات نے اس آیت کریمہ میں چار تقاضے ہمارے سامنے رکھے:

1۔ تقویٰ

2۔ سمع وطاعت

3۔ انفاق فی سبیل اللہ

4۔ جی کے لالچ سے بچا لیا جانا۔ اللہ کا فضل

بچنا نہیں بلکہ بچا لیا جانا۔ چنانچہ اسی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرفتن دور میں مجھے اور ہم سب کو دین کا صحیح تصور عطا فرمایا۔ دین کے جامع تصور کو ہم نے سمجھا، اپنے دینی فرائض کو ہم نے سمجھا۔ یعنی

خود اللہ کا بندہ بننا

دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا

بندگی پر مبنی نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا

پھر ہم نے یہ بھی جانا کہ یہ کام اکیلے اکیلے ممکن نہیں، اس کے لیے جماعتی زندگی اختیار کرنا ضروری ہے اور جماعت بھی وہ ہو جو سمع وطاعت کے حوالے سے قائم کی گئی ہو جو منظم ہو اور اس کا ڈسپلن سننے اور اطاعت کرنے والا ہو۔ اسی سمع وطاعت کے تقاضوں کی ادائیگی کے لیے ہم درج ذیل پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں:

اسروں میں شرکت

ماہانہ تربیتی اجتماع میں شرکت

حلقہ جات قرآنی میں شرکت

سہ ماہی اجتماع میں شرکت

سالانہ اجتماع میں شرکت

سب سے پہلے ہم اللہ رب العالمین سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے آسانی اور عافیت کا معاملہ فرمائے۔

ہم نے ظاہری اسباب کے تحت بھرپور تیاری کرنی ہے لیکن مسبب الاسباب سے دعا کرنی ہے کہ رب کائنات! تو ہی ہمارے لیے آسانی کا معاملہ فرما، عافیت کا معاملہ فرما۔ ہر اعتبار سے رفقائے تنظیم کا بہاولپور اجتماع گاہ پہنچنا بھی آسان فرما، اجتماع کا انعقاد بھی آسان فرما اور اے اللہ! اپنی خاص نصرت اور تائید ہم سب کو عطا فرما۔

ظاہری اسباب میں ہم نے بہت کچھ کام کرنے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے تیاری کرنی ہے۔ بعض رفقاء نے اپنے دفاتر یا اداروں سے چھٹیاں لینی ہیں۔ اُمید ہے کہ انہوں نے اس کا اہتمام کر لیا ہوگا۔ اسی طرح سفر کے اخراجات کا معاملہ، آمدورفت کا معاملہ چاہے وہ بس کے ذریعے ہو یا ٹرین کے ذریعے یا ہوائی جہاز کے ذریعے ہو' اس کا بھی بروقت انتظام کرنا ہوگا۔ اسی طرح اپنے گھر اور زیر کفالت افراد کے حوالے سے معاملات کو سمیٹ لینا' یہ سب کچھ اسباب کے تحت کرنا ضروری ہے اور یہ ہمارے

بس میں ہے۔ جو ہمارے بس میں ہے وہ فوراً کیا جائے۔ آج کل ہم سمارٹ فون استعمال کر رہے ہیں تو اپنے پلانر کے اندر مارک تو کر لیا ہوگا کہ یہ ایام میں نے کہیں اور نہیں لگانے بلکہ یہ اللہ رب العالمین کی توفیق سے سالانہ اجتماع میں بسر کرنے ہیں۔ ان شاء اللہ!

اس سفر اور اجتماع کے دوران اللہ رب العالمین کے فضل و کرم سے ہمیں بے شمار نعمتیں میسر آئیں گی۔

سالانہ اجتماع کے فوائد

1۔ اپنے فکر کی آبیاری کا موقع میسر آتا ہے۔ جس فکر کی بنیاد پر ہم اس اجتماعیت میں شامل ہوئے ہیں اس کا پس منظر کیا ہے؟ آج ہم کس مقام پر کھڑے ہیں؟ منزل تک پہنچنے کی کیا تیاریاں ہیں' یہ جاننے کا موقع ملتا ہے۔

2۔ دوران سفر آمد و رفت ہوتی ہے، بہت کچھ تربیت کے مواقع میسر آتے ہیں۔ گھر کے آرام کو چھوڑتے ہیں، گھر کے نرم بستر کو چھوڑتے ہیں، سہولیات سے آراستہ ماحول کو چھوڑ دیتے ہیں، سفر میں بہر حال مشقت کا پہلو ہوا کرتا ہے' اس مشقت کو جھیلنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ایثار و قربانی کے جذبات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آنے کا پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے، ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرنے کا موقع میسر آتا ہے اور سفر کے دوران بہت ساری باتیں اور بھی اللہ کی توفیق سے سیکھنے کا موقع میسر آتا ہے

3۔ دوران اجتماع ہمیں اپنے اکابرین کو، سینئر ترین رفقاء کو سننے کا موقع میسر آتا ہے اور ایک بڑا پیارا گلدستہ ہوتا ہے جو دو ڈھائی دن میں ہمارے سامنے سجا ہوتا ہے۔ تنظیمی فکر، تنظیم کے طریقہ کار کو اپنے بزرگ اور سینئر رفقاء کی زبان سے ہمیں سیکھنے اور سمجھنے کا موقع میسر آتا ہے۔

4۔ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ملاقات بلکہ ان کے دیدار کا موقع میسر آتا ہے۔ اس وقت تنظیم کی امارت میرے کاندھوں پر ہے لیکن میں تو اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ میں اپنے بھائیوں اور رفقاء کا دیدار کروں گا۔ ان کے پیارے چہروں کو دیکھوں گا، مجھے ان سے ملاقات کا موقع میسر آئے گا۔ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''میرے لیے آپس میں محبت کرنے والوں، ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے والوں، اور ایک دوسرے کو جا کر ملنے والوں، اور (ایک دوسرے کی خیر کے لیے) اپنی قوتیں صرف کرنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہوگئی۔''

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت واجب ہو جاتی ہے، اور ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت آجاتی ہے کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ تو جن سے اللہ کی خاطر محبت ہو وہ شمال، جنوب، مشرق، مغرب سے آرہے ہوں، اکثر رفقاء پاکستان سے، کچھ بیرون پاکستان سے بھی آتے ہیں جن کو ہم بہر حال پورا سال نہیں دیکھ پاتے، ان کو دیکھنے، ان سے ملاقات کرنے، ان کے تجربات سے سیکھنے کا ہمیں موقع میسر آتا ہے۔

قرآن حکیم میں بار بار جان و مال سے جہاد کا ذکر آتا ہے، پھر اسی راستے کا اعلیٰ ترین درجہ قتال فی سبیل اللہ اور شہادت ہے۔ ((اللھم الشھادۃ فی سبیلك))

''اے اللہ! اپنی راہ میں شہادت کا رتبہ ہم سب کو عطا فرما۔'' لیکن جان کھپانے سے مراد گھر بار کا آرام چھوڑنا، اپنے کاروبار، اپنی نوکری اور دیگر امور کو چھوڑنا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اس کو وقف کرنا، اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خواہ وہ سفر کی آمد و رفت کے اخراجات ہوں یا اجتماع کے اخراجات ہوں جن میں آپ کا انفاق شامل ہو' یہ سب جان و مال کا اللہ کی راہ میں کھپایا جانا ہے اور یہ سارے فوائد سالانہ اجتماع کے ذریعے ہمیں میسر آتے ہیں۔

5۔ علم میں اضافہ: سالانہ اجتماع کے موقع پر آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور فکر کے حوالے سے بہت ساری جہتیں اور بہت سارے نئے پہلو ہم پر واضح ہوتے ہیں جس سے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

6۔ اس اجتماع سے نبی کریم ﷺ کی بہت ساری مبارک سنتوں پر عمل کا موقع بھی میسر آتا ہے۔ یقیناً ہمارے معمولات میں وہ سنتیں شامل ہیں جن پر ہم عمل درآمد کرتے ہیں لیکن ایک ماحول ہوتا ہے جہاں ہم سیکھتے ہیں یاددہانی ہو جاتی ہے اور عمل کرنے کے حوالے سے ہمیں ترغیب و تشویق ملتی ہے۔

7۔ پھر باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعارف کا موقع ملتا ہے۔ یعنی کراچی والے لاہور والوں سے بات کر رہے ہوں، لاہور والے پشاور والوں سے بات چیت کر رہے ہوں۔ اسی طرح سے ایک دوسرے کے تجربات سے ہمیں سیکھنے کا بہت کچھ موقع میسر آتا ہے۔

8۔ ایک ریکارڈنگ کے دوران میں ہمارے ایک سینئر رفیق نے بہت اچھی بات کہی تھی کہ سالانہ اجتماع میں تحریکی بھائیوں سے ملاقات اور میل ملاپ سے عید کا سا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔۔

سمع وطاعت کا مظاہرہ: اسی پروگرام میں ڈاکٹر عبدالسمیع نے بہت خوبصورت بات کہی تھی کہ سالانہ اجتماع میں ہمیں سمع وطاعت کے تقاضوں پر عمل کرنے اور ایک ڈسپلن کا مظاہرہ کرنے کا موقع میسر آتا ہے جس کی گواہی رفقائے تنظیم کے علاوہ، تنظیم اسلامی کے باہر سے بھی سامنے آتی ہے۔

کیا اچھا ہو کہ ان فوائد کو بھی سامنے رکھیں اور بھرپور تیاری کریں، میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم سب کے لیے آسانی کا معاملہ فرمائے' انعقاد تک بھی اور وہاں سے واپسی تک بھی۔ اللہ اپنی خاص نصرت اور تائید ہم سب کو عطا فرمائے۔

والسلام

امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظ اللہ

❀❀❀

منہج حیات: سورۃ العصر کی روشنی میں

شفیع لاکھو، حیدر آباد

یہ قرآن مجید کی ایک عجیب سورۃ مبارکہ ہے جس کے بارے میں اگر اس کی اہمیت وفضیلت پر بات کی جائے تو امام شافعیؒ کے دو اقوال ہیں جو تفسیر ابن کثیر اور تفسیر از محمد عبدہٗ میں نقل ہوئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں! (لَو تَدَبَّرَ النَّاس هٰذِهِ السُّورَةَ لَوَسِعَتهم) (تفسیر ابن کثیرؒ) ''لوگ اگر قرآن مجید پورا نہ پڑھیں اور صرف سورۃ العصر پر تدبر کریں اور اس کو سمجھیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا سارا پیغام ان تک پہنچ جائے گا۔'' (لَو لم يَنزِل مِنَ القرآنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاس) (تفسیر از محمد عبدہٗ) ''اگر پورا قرآن نازل نہ ہوتا اور صرف سورۃ العصر نازل ہو جاتی تو یہ پورے قرآن کی طرف سے کفایت کر جاتی۔''

اب آیئے ایک نگاہ ڈالیں سورۃ العصر پر:

﴿وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③﴾ اس سورۃ مبارکہ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس میں موجود ''و'' کو سمجھیں۔

عربی میں آتا ہے ''اَ''، جس کے انگریزی میں معنی ہیں ''OR''، اسی طرح اردو میں اس کے معنی ''یا'' بنتے ہیں۔ اسی طرح عربی میں آتا ہے ''وَ''، جس کے انگریزی میں معنی ہیں AND''، اسی طرح اردو میں اس کے معنی بنتے ہیں ''اور''۔

مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ حکومت پلاٹ دے گی ان عورتوں کو جو: غریب بیوہ ہو۔ یا غریب معذور ہو۔ یا غریب نابینا ہو۔

درج بالا شرائط میں چونکہ لفظ ''یا'' موجود ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے اگر مذکورہ تینوں شرائط میں سے کوئی ایک شرط پر بھی پورا اترے گا تو اسے حکومت کی جانب سے پلاٹ مل جائے گا۔ اب اسی طرح کی ایک مثال کو قرآن مجید میں ملاحظہ فرمائیں:

﴿لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ﴾ یہ سورۃ المائدۃ کی آیت 89 ہے جس میں پختہ قسم کی خلاف ورزی کرنے پر اس کا کفارہ بتایا گیا ہے:

1۔ دس محتاجوں کو اوسط درجے کھانا کھلانا۔ یا 2۔ ان کو کپڑے دینا۔ یا 3۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ یا 4۔ تین روزے رکھنا۔ چونکہ یہاں لفظ ''یا'' آیا ہے لہٰذا پختہ قسم کی خلاف ورزی کا مرتکب اگر مذکورہ چار شرائط میں سے کسی ایک کو بھی پورا کر لے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر شرائط اس طرح سے ہوں کہ: حکومت کا اعلان ہے کہ درج ذیل شرائط پر بیوہ کو مفت پلاٹ دیا جائے:

1۔ بیوہ ہو۔ اور 2۔ اس کے شوہر نے سرکاری نوکری کی ہو۔ اور 3۔ کم سے کم گریڈ 17 ہو۔ اور 4۔ کم سے کم 15 سال نوکری کی ہو۔

اب یہاں لفظ ''اور'' آیا ہے۔ لہٰذا پلاٹ کا حصول اسی صورت ممکن ہوگا کہ تمام شرائط من وعن پوری کی جائیں۔

اب ذرا سورۃ العصر پر نگاہ ڈالیے:

﴿وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③﴾

اس سورۃ مبارکہ میں لفظ ''وَ'' یعنی اردو میں ''اور'' آیا ہے اس کا مطلب ہے کہ اس میں موجود تمام شرائط کو پورا کرنا لازم و ملزوم ہے۔ سورۃ العصر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ خسارے میں ہیں لیکن سوائے ان کے جو:

1۔ ایمان لائیں 2۔ ''اور'' عمل صالح کریں۔ 3۔ ''اور'' تواصی بالحق یعنی (دین الحق) کو قائم کرنے کے لیے مومنوں کو تیار کریں۔ 4۔ ''اور'' تواصی بالصبر یعنی مشکل حالات میں ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ تو اس طرح معلوم ہوا کہ خسارے سے نکلنے کے لیے اس حیاتی میں چار پرچوں میں علیحدہ علیحدہ پاس ہونا ضروری ہے، اور وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ ایمان کا امتحان 2۔ عمل صالح کا امتحان 3۔ حق کو پہچان کر اس کے لیے جماعت میں شامل ہو کر جدوجہد کرنے کا امتحان۔

4۔ جدوجہد میں استقامت سے ڈٹ جانے کا امتحان۔

ہم درج بالا چاروں پرچوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھیں گے لیکن اس سے پہلے کچھ بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ کہ کیا امتحان میں چھوٹ ہے؟ کیا ان چاروں پرچوں میں چھوٹ ہے؟ اور یا یہ کہ کسی ایک یا دو میں پاس ہو جاؤ اور بقیہ میں چھوٹ مل جائے گی۔

کیا امتحان میں چھوٹ ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ (المومنون) ''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے؟''

کیا ایمان (پہلے پرچے) میں پاس ہونے کے بعد عمل صالح میں پاس ہونا ضروری ہے؟

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ (العنکبوت:2)

کیا ایمان اور عمل صالح میں پاس ہو جانے کے بعد باقی پرچوں میں چھوٹ مل سکتی ہے؟

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ (آل عمران)

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔'' جیسا کہ بانی محترمؒ بھی فرماتے ہیں کہ: ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر چاروں لازم ہیں۔ ان میں کسی ایک کو بھی ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ (ماخوذ از راہِ نجات صفحہ 9)

کیا امتحان سخت ہوگا یا آسان ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾ (البقرہ) ''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔۔۔۔ اس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔''

ہمارے امتحان کا Syllabus کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ) ''ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔'' اس آیت سے معلوم ہوا کے اللہ کی طرف سے ہدایت یعنی قرآن اور صاحب قرآن یعنی جناب محمد رسول ﷺ کی ذات ہمارے لیے ہدایت کا عملی نمونہ ہے۔

ہمارے امتحان کا دورانیہ کتنا ہوگا؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:((أَعْذَرَ اللَّهُ إِلَى امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّينَ سَنَةً)) (صحیح بخاری: جلد سوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو لمبی عمر دی، یہاں تک کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ اس کے عذر کو قبول نہیں کرتا۔''

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ساٹھ سال کی عمر گزارنے کے بعد اللہ کے ہاں کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ البتہ جو اس سے پہلے وفات پا جائیں تو ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل کوئی رعایت بخشیں۔

اب آیئے ذرا سورۃ العصر کا مطالعہ کریں۔

سورت کی ابتدا تو ''والعصر'' سے ہوتی ہے اس کے معنی سے تو ہم سب واقف ہیں لیکن اس مضمون کے آخر میں اس کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ لہٰذا ہم آغاز کرتے ہیں آیت 2 سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾﴾ ''تمام انسان خسارے میں ہیں۔''

کیوں خسارے میں ہیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ (المعارج) ''کیا ان میں سے ہر ایک یہ لالچ رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ ہم نے جس چیز سے ان کو پیدا کیا اُسے یہ خود جانتے ہیں۔''

﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾﴾ (القیٰمہ)

یعنی یہ خود جانتے ہیں کہ نطفے کی ایک حقیری بوند جو اگر کپڑوں پر لگ جائے اسے جلد صاف کرنے کی فکر لاحق ہوجاتی ہے، سے ان کی تخلیق کی ابتدا کر کے ہم نے ان کو چلتا پھرتا انسان بنایا ہے۔ اگر اپنی اس خلقت پر یہ غور کرتے تو انہیں کبھی یہ غلط فہمی لاحق نہ ہوتی کہ اب یہ ہماری گرفت سے باہر ہوگئے ہیں۔ لہٰذا جنت کو حاصل کرنے کے لیے اپنے Status کو بلند کرنا پڑے گا۔ اپنے آپ کو اٹھانا پڑے گا۔

پہلا پرچہ: ایمان

ایمان کی دو اقسام ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ! ایک ہے قانونی ایمان اور دوسرا ہے حقیقی ایمان

قانونی ایمان:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ (اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّلَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ) ''اگر کسی آدمی نے کلمہ پڑھ لیا تو وہ مسلمان ہے اب یہ نہ بڑھے گا اور نہ کم ہوگا۔''

حقیقی ایمان: امام بخاری کا قول ہے کہ (اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّعَمَلٌ وَیَزِیْدُ وَیَنْقُص) ''حقیقی ایمان وہ ہے جس میں اتنی طاقت ہو اس سے اعمالِ صالح نکلتے ہیں۔''

ایمان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سورۃ المائدۃ کی آیت 41 میں فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ﴾ ''اے پیغمبرؐ! تمہارے لیے باعثِ رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں۔ خواہ وہ اُن میں سے ہوں جو منہ سے کہتے ہیں، ہم ایمان لائے مگر دل اُن کے ایمان نہیں لائے۔''

آپ ﷺ بہت غم زدہ ہوتے تھے ان لوگوں کے لیے جو اعمال صالح نہیں کرتے تھے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو قانونی طور پر تو مسلمان ہیں لیکن وہ حقیقی ایمان سے بالکل خالی ہیں۔

ایمان کی علامت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾﴾ (الانفال) ''سچے اہلِ ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سُن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اور وہ اپنے ربّ پر اعتماد رکھتے ہیں۔''

دوسرا پرچہ: عمل صالح

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا﴾ (النساء: 136) ''اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو عمل سے ایمان لاؤ''

تفسیر آیت 136:

''اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرتکب فی الواقع اللہ کی تسبیح وتحمید میں مخلص ہے۔ گویا قول، عمل کے بغیر، اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔'' (فتح القدیر)

عمل صالح کیا ہے اور اس کا ایمان سے کیا تعلق ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾﴾ (فاطر) ''جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت تو سب خدا ہی کی ہے۔ اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں۔''

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نماز پڑھو، نماز پڑھو اور خود نہ پڑھے تو اس کا یہ کہنا اللہ کے ہاں بلند نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ خود کہے گا اور اس پر عمل پیرا بھی ہوگا تو اس کا یہ کہنا اور کرنا اللہ کے ہاں بلند ہوگا۔

عمل صالح نہ کرنے کا خسارہ

پہلے پرچے میں جو ناکام ہوگیا وہ تو ایک طرح سے خسارے میں ہے۔ لیکن کلمہ پڑھنے کے بعد جو عمل صالح نہیں کرے گا، اس کا کیا انجام ہوگا؟ اس سے متعلق قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی روش کا ذکر ہے۔ پورے قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ ان کا بیٹا کافر تھا۔ بلکہ تذکرہ اس بات پر ہے کہ اس کے اعمال غیر صالح تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میرا بیٹا تو اہل بیت میں سے ہے اسے بچایا جائے یا میری طرف لوٹایا جائے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ۝﴾

''نوحؑ تیرا بیٹا تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل صالح نہیں کرتا وہ بھی ناکام ہے۔'' (ھود:46)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُمۡ يَصۡطَرِخُوۡنَ فِيۡهَا‌ۚ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا نَعۡمَلُ‌ؕ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ‌ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ۝﴾ (فاطر)

''وہ جب جہنم میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہاں سے نکال لے، اب ہم نیک عمل کیا کریں گے۔ نہ وہ جو پہلے کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی؟ کہ اس میں اگر تمہیں سدھرنا ہوتا تو تم سدھر جاتے اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تو اب مزے چکھو۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

ابتدا میں ایک حدیث بیان کر دی گئی ہے جس میں رسالت مآب ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس شخص کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا جس کی عمر 60 سال کو پہنچ چکی۔ اب ایک اور مثال حدیث سے سنیں یہ بہت حضور ﷺ کا معروف ارشاد ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کی پوری آبادی کے ساتھ الٹ دو! جبرائیلؑ نے عرض کیا خداوندا اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پل جھپکنے کے برابر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ الٹو ان بستیوں کو پہلے اس پر اور پھر دوسروں پر' اس لیے کہ اس کے چہرے کا رنگ میری (غیرت اور حمیت کی) وجہ سے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بدلا''۔ (شعب الایمان)

اندازہ کیجیے کہ بستی میں موجود اس شخص کی عبادت کا کیا حال ہوگا جس نے کبھی کوئی لمحہ بھر بھی خدا کی نافرمانی میں نہیں گزارا۔ لیکن چونکہ وہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر یعنی تیسرے اور چوتھے پرچے میں ناکام رہا تو اس وجہ سے ایمان اور عمل صالح بھی اس کے کام نہ آئے۔

سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں: نیک عمل درحقیقت ایمان کا قدرتی پھل ہوتا ہے اور جب ایمان کسی قلب میں جاگزیں ہوتا ہے تو عمل صالح اس کی ذاتی حرکت ہوتی ہے۔ (ماخوذ از فی ظلال القرآن جلد ششم صفحہ:1092)

عمل صالح کی عملی شکلیں:

1۔ نماز میں دھیان اور خشیت 2۔ بے کار activities سے دوری 3۔ زکوۃ کی ادائیگی 4۔ شرمگاہوں کی حفاظت 5۔ نماز کی حفاظت 6۔ وعدوں اور امانتوں کی پاسداری 7۔ عمل صالح کی تبلیغ (ماخوذ از سورۃ المومنون آیت 2 تا 9 اور سورۃ المائدۃ آیت 67)

تیسرا پرچہ: تواصی بالحق

تواصی بالحق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہمیں یہ معلوم ہو کہ حق کیا ہے۔

دین الحق خلیفۃ اللہ کا مشن، یعنی مقصد زندگی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۝﴾ (التوبہ) ''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے۔ اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔''

الحق کو نہ پہچاننے والے کون ہیں؟

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان تو لے آئیں گے، نمازیں بھی پڑھیں گے اور زکوۃ وصدقات بھی کریں گے لیکن حق کو نہیں پہچانیں گے یعنی سب سے بڑا تواصی بالحق تو یہی ہے کہ یہ کائنات اللہ کی ہے یہ زمین اس کی ہے اس کا حکم چلنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ۝﴾ (الانفال) ''جھگڑ رہے ہیں وہ آپ سے جب کہ حق تو ان پر واضح ہو چکا ہے (یعنی اللہ کے دین کی سربلندی)۔ اور وہ ایسے ڈر رہے ہیں جیسے موت نظر آ رہی ہے۔''

جس شخص کی نگاہوں میں حق محبوب ہو جائے گا وہ جہاں کہیں بھی حق کو مظلوم ومقہور اور باطل کو غالب وفتح مند دیکھے گا، تڑپ اٹھے گا اور ایک غیور و اولوالعزم انسان کی طرح دوسروں کو ابھارے گا کہ وہ حق کی حمایت کے لیے کمربستہ ہوں۔ (سورۃ العصر آیت 3 تفسیر تدبر القرآن)

اشاعت اسلام (عوام الناس میں اسلام کا پرچار)

اگر کسی ملک میں اکثریت بلکہ غالب اکثریت مسلمانوں کی ہو لیکن نظام، قانون، حکومت اور اقتدار کفر کا ہو تو اشاعت اسلام کے باوجود غلبہ دین نہیں ہے۔ (ماخوذ از: اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داریاں، تالیف مولانا ناز احد اقبال، صفحہ 118)

غلبۂ دین (کسی خطے پر دین الحق کا اظہار یعنی غلبہ)

اگر نظام، قانون، حکومت اور اقتدار اسلام کا ہو اور اکثریت غیر مسلم ہو تو یہ غلبہ دین ہے، اگرچہ اشاعتِ اسلام نہیں۔

(ماخوذ از اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داریاں، تالیف: مولانا ناز احد اقبال، صفحہ 118)

کیا روحانی ترقی اور دنیاوی ترقی متضاد ہیں؟

ان آیتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اصلی مومن ہونے کی علامت یہ بھی ہے کہ وہ پورے غالب ہوں، صاحب طاقت ہوں، صاحب ثروت ہوں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ومددگار ہو، اور جس قوم کا ناصر ومددگار اللہ تعالیٰ ہو وہ ہمیشہ غالب رہے گی، کبھی ذلیل نہ ہوگی۔ (انوار القرآن، مولوی انیس احمد، صفحہ نمبر:93)

اگر غلبہ دین حق کی تحریک نمودار نہیں ہوتی تو اللہ پاک اس علاقے میں عذاب نازل کر کے اپنی پراپرٹی خالی کروا لیتے ہیں۔ لیکن نہی عن المنکر کرنے والوں کو اس عذاب سے بچاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَنۡجَيۡنَا

﴿الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ اللہ تعالیٰ عزوجل نے بچالیا ان کو جو نہی عن المنکر (برائی) سے روکتے تھے ۔ (الاعراف:165)

اگر اللہ کا حق اس زمین پر غالب نہ ہو تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ (المومنون)

''اور اگر حق لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو زمین اور آسمان میں بسنے والے سب برباد ہو جاتے ۔ لیکن ہم (اللہ) نے ان کی نصیحت کا سارا سامان قرآن میں دے دیا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اعراض کرتے ہیں۔''

حق چھوڑنے کی سزا کیا ہے؟

اگر ایک آدمی پہلے پرچے (ایمان) اور دوسرے پرچے (عمل صالح) میں کامیاب ہو گیا لیکن تیسرا پرچہ تواصی بالحق میں ناکام ہو گیا تو اس آخرت میں اس کی سزا کیا ہے؟ سنیں قرآن سے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (الانعام) ''اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے ۔ وہ کہے گا: کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: بیشک ہمارے رب ! اللہ کہے گا تو پھر چکھو عذاب کا مزہ کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔''

تواصی بالحق:

درج ذیل آیت کو آپ سورۃ العصر کے تناظر میں پڑھیں یعنی اللہ تعالیٰ خطاب کر رہا ہے ان کو جو ایمان لائے، عمل صالح کرتے رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ (التوبہ)

''کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے (اعمال کے) برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہے، اور جس نے اللہ کے راستے میں ''جہاد'' کیا ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہو سکتے ۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔''

سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں:

''غرض لفظ ''تواصی'' اور اس کے اس مفہوم، اس کے مزاج اور حقیقت ہی میں سے امت مسلمہ کا وجود نمودار ہوتا ہے، یا ایک باہم متحد جماعت کا تصور ابھرتا ہے۔ یعنی ایسی امت جو ممتاز ہو، جو دانشمند ہو، جو اس کرۂ ارض پر سچائی، بھلائی اور عدل وانصاف کے قائم کرنے کی ذمہ دار ہو۔'' (فی ظلال القرآن، جلد ششم صفحہ 1093)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔'' (سنن نسائی: جلد سوم)

ایک اکیلا آدمی جنت تو جا سکتا ہے لیکن بغیر جماعت کے وہ کرۂ ارض پر اللہ کا عادلانہ نظام نہیں لا سکتا اور اللہ کو تو پیارے وہی ہیں جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کا نفاذ کریں۔

جماعت کی اس اہمیت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ (آل عمران)

''اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں، اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

میں چاہتا ہوں اس آیت میں جو دو الفاظ ہیں ''الخیر'' اور ''یامرون بالمعروف'' ان کو سمجھ لیا جائے۔ عموماً مذکورہ آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا جاتا ہے۔

''تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کا حکم دے اور بھلائی کی طرف بلائے''۔ یامرون بالمعروف کے معنی یقیناً یہ ہی ہیں کہ نیکی کی تلقین کریں لیکن الخیر کے کیا معنی ہیں اس کو سمجھ لیں:

نبی ﷺ کی دعوت کا چرچا جب اطراف واکناف میں پھیلا تو مکہ کے لوگ جہاں کہیں جاتے تھے، ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارے ہاں جو نبی ہیں ان پر کیا نازل ہوتا ہے؟

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (النحل)

''اور جب ان سے کہا گیا کہ: تمہارے رب نے کیا بات نازل کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ: گزرے ہوئے لوگوں کے افسانے!''

﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (النحل)

''اور (دوسری طرف) متقی لوگوں سے پوچھا گیا کہ: تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: خیر ہی خیر اتاری ہے۔ (اسی طرح) جن لوگوں نے نیکی کی روش اختیار کی ہے، ان کے لیے اس دنیا میں بھی بہتری ہے، اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا بہتری، یقیناً متقیوں کا گھر بہترین ہے۔''

اسی آیت کی تفسیر قرطبیؒ نے یوں بیان کی ہے۔

﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ﴾ (تفسیر القرطبی ج10 ص100)

المؤمنين فيقولون : أنزل الله عليه الخير والهدى والمراد القرآن الجامع لأحكام القرآن ، اسم المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي ، دار النشر : دار الشعب- القاهرة

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنے والے زمانوں میں ایسی جماعتیں بنیں گی جو قرآن کو چھوڑ کر باقی تمام کام کریں گی۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ: ((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : يَخْرُجُ فِيْكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ، وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ، اَوْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ))

حضرت ابو سعید خدری ؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہیں اپنے روزے اور ان کے عمل کے مقابلہ میں تمہیں اپنا عمل حقیر نظر آئے گا اور وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی

کریں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے۔'' (صحیح البخاری)

اس حدیث مبارکہ سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید سمجھ کر پڑھنے کی اہمیت کس قدر ہے اور دین کی جانب سے عائد کردہ فرائض کو توازن کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تواصی بالحق کا خلاصہ یہ ہوا کہ جماعت سازی کی تربیت کی جائے جو دین الحق کا نفاذ کرے اور یہ تربیت ان پہلوؤں سے کی جائے۔

1۔ایمان 2۔عمل صالح 3۔اتحاد 4۔امیر کی اطاعت 5۔سیاسی تربیت 6۔استقامت

چوتھا اور آخری پرچہ: تواصی بالصبر

صبر کی عموماً معنی یہ کی جاتی ہے کہ میں تو فلاں ظالم سے نہیں لڑسکتا اللہ ہی اس حساب کرے میں تو صبر ہی کرسکتا ہوں۔ قرآن مجید میں لفظ ''صبر'' جنگوں کے موقعوں پر آیا ہے۔

مثلاً: سورۃ البقرۃ کی آیت 250 میں ہے:

﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

''اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار صبر و استقلال کی صفت ہم پر انڈیل دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافر قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرما دے۔'' یعنی ہمیں صبر عطا فرما تاکہ ہم ثابت قدمی کے ساتھ لشکر کا مقابلہ کرسکیں۔

اب میں یہاں توقف کرکے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق میں کتنے نمبر دیں گے؟، یقیناً آپ کا جواب سو میں سے سو ہوگا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بدر کے میدان میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لیے کنارے کنارے چلے (یعنی حکمت عملی سے دشمن کو مارے) یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے۔ اس کے علاوہ جو پیٹھ پھیرے گا تو (سمجھو کہ) وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہوگیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (الانفال: 16)۔ اندازہ کریں تواصی بالصبر کے امتحان میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرکے فرما رہے ہیں کہ اگر اس میں امتحان میں تم ناکام ہوگئے تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ اس کا مطلب ہے ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر لازم و ملزوم ہیں۔

ناکام ہونے کی سزا:

ہمیں چونکہ شیطان اکثر و بیشتر بھٹکاتا رہتا ہے اور اس کی یہ کوشش بھی ہوگی کہ وہ ہمیں چاروں پرچوں (ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر) میں ناکام کرائے اس لیے میں شیطانی دھوکوں کا ذکر کردیتا ہوں۔

ایمان کے امتحان میں ناکام ہونے کا اہم سبب

شیطان کا پہلا دھوکہ:

عبادت سے صرف یہ مراد لینا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوۃ دو اور حج کرو۔ جبکہ ابن تیمیہؒ نے عبادت کی تعریف یوں کی ہے:

(اسْمٌ جَامِعٌ لِكُلِّ مَا يُحِبُّهُ اللهُ وَ يَرْضَاهُ مِنَ الْاَعْمَالِ وَالْاَقْوَالِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ۔)

''جیسے کہ اقامت دین کے لیے جان مال لگانا، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، سچی بات کہنا، امانت ادا کرنا، والدین سے حسن سلوک، صلہ رحمی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، دعا و ذکر، تلاوت قرآن، اور اس جیسی دیگر عبادات۔''

(مجموعہ الفتاویٰ لابن تیمیۃ، 10/149)

شیطان کا دوسرا دھوکہ

صحت مند اور مالدار صرف دین کی تبلیغ کرکے چھوٹ جائیں گے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ (التوبہ) ''اور جب کوئی سورت یہ حکم لے کر نازل ہوتی ہے کہ: اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول کی رفاقت میں جہاد کرو، تو ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ جو صاحب استطاعت ہیں، تم سے اجازت مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل ہونے دیجیے جو (گھر میں) بیٹھے رہیں گے۔''

﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (التوبہ) ''اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الزام تو ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود تم سے اجازت مانگتے ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے، اس لیے انہیں حقیقت کا پتہ نہیں ہے''

شیطان کا تیسرا دھوکہ

امر بالمعروف کے کرنے سے نہی عن المنکر از خود ہوجائے گا۔ لیکن جان لیجئے کہ: امر بالمعروف کی شاخ ہے (ایمان اور عمل صالح جبکہ نہی عن المنکر کی شاخ ہے تواصی بالحق و تواصی بالصبر)

شیطان کا چوتھا دھوکہ

دین پر جزوی عمل کرنا کفایت کرے گا۔ ارشاد ہے:

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کی رسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔'' (البقرۃ:85)

اب آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العصر کی ابتدا میں یہ کیوں کہا کہ: والعصر؟

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ امتحان Invigilator اعلان کرتا ہے کہ متوجہ ہوجاؤ Time over ہونے والا ہے۔ اسی طرح ہمارا رب، ہمارا خالق، ہمیں یہ کہہ رہا ہے کہ ''والعصر'' زمانے کی قسم تم خسارے میں ہو۔

❁❁❁

قولِ زریں

''ہم جس چہرے کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارا انتخاب نہیں ہوتا مگر جس کردار کے ساتھ ہم مرتے ہیں اُسے تراشنے کے ہم خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔''

قرآن حکیم، کتاب ایمان وانقلاب

ڈاکٹر عبدالسمیع

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾

اس وقت جس موضوع پر مجھے آپ کے سامنے گفتگو رکھنی ہے اس کا عنوان ہے: ''قرآن حکیم کتاب ایمان و انقلاب'' ایمان کے بنیادی طور پر دو اجزاء ہیں ایک ہے ایمان باللہ اور دوسرا ہے ایمان بالرسالت، اور پھر ایمان بالرسالت کا جزو ہے ایمان بالآخرۃ۔ ان تینوں ایمانیات کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن حکیم ہے، سب سے بڑا منبع یہی قرآن ہی ہے۔

ایمان باللہ کے ضمن میں جو سب سے بنیادی بات ہے وہ ہمیں سمجھنی چاہیے کہ وہ کیا ہے؟ ایک تصور اس کائنات کے بارے میں یہ ہے کہ یہ آپ سے آپ ہی بن گئی جس کو علامہ اقبال نے ابلیس کی مجلس شوریٰ کے پہلے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے ''یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیائے دوں'' گویا یہ عناصر ہائیڈروجن پوٹاشیم یہ ہمیشہ سے موجود تھے اور ان کے درمیان ایکشن اور ری ایکشن سے یہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی۔ یہ ایک تصور ہے اس کے مقابلے میں یہ ماننا کہ یہ کائنات آپ سے آپ پیدا نہیں ہوئی بلکہ اللہ ایک ہستی ہے جو زندہ و جاوید ہے اور جہاں بھی کوئی ہستی ہوگی اس کی کوئی پسند ناپسند بھی ہوگی۔ کہیں ہاں کہیں ناں بھی ہوگی۔ وہ ہستی کسی کی تعریف بھی کرے گی، کسی پر تنقید بھی کرے گی۔ تو یہ سب چیزیں ایک ہستی کی جزو لاینفک ہیں تو اسی تناظر میں قرآن حکیم کا ایک بہت بڑا حصہ ہے جو ہمیں یہ توجہ دلاتا ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ نے خود بنائی ہے یہ آپ سے آپ پیدا نہیں ہوئی، تو جو ایمان اللہ تعالیٰ ہمیں دیتا ہے جس کو روشنی بھی کہا گیا ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ﴾ ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو۔''

یہاں نور سے مراد روشنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو مان لیں تو یہ کائنات روشن ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیں تو یہ کائنات اندھیر نگری چوپٹ راج ہو جاتی ہے۔ ایمان بالرسالت میں اگر دیکھیں تو اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی رسالت کی واحد دلیل صرف اور صرف قرآن کی دی ہے جب اس کو اللہ کا کلام مانا تو پھر اس کے ذریعے سے اللہ کے نبی ﷺ کو اللہ کا رسول مانا اور اسی طرح اگر آپ قرآن حکیم کو الحمد سے والناس تک دیکھیں تو اس میں کوئی صفحہ ایسا آپ کو نہ ملے گا جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ایمان بالآخرت کا تذکرہ نہ ہو یہاں تک کہ وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے، سمیع ہونے، بصیر ہونے کا تذکرہ ہے، اس کو صرف معلومات نہ سمجھا جائے بلکہ ان پر بھی غور و فکر کیا جائے اور جب ہم نے یہ مان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، میرے مالک کا فرمان ہے تو وہ جو چیز ہمیں سب سے زیادہ سمجھا رہا ہے وہ ایمان بالآخرت ہے۔ پس قرآن حکیم تمام ایمانیات کا ذریعہ ہے، ایمان لانے کے لیے بھی اور ایمان پر قائم رہنے کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پکا سچا ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دوسرا حصہ میری آج کی گفتگو کا یہ ہے کہ قرآن حکیم انقلاب کی کتاب ہے۔ انقلاب کے لغوی معنی میں تو تبدیل ہونے کا، بدل جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے مگر اصطلاحی معنی میں کسی بڑی تبدیلی کو انقلاب کہتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے جو عظیم ترین انقلاب برپا کیا اس کا بنیادی ذریعہ بھی قرآن حکیم ہی ہے۔ وہ کیسے؟ کہ ہر داعی انقلاب اپنے انقلاب کا کوئی طریقہ بتاتا ہے اور اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے کہ میں اس طریقے سے انقلاب لاؤں گا۔ نبی اکرم ﷺ کو دوسری ہی وحی میں یہ اسائنمنٹ دے دی گئی تھی کہ آپ ﷺ نے رب کو بڑا کرنا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪﴿۳﴾﴾ ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔'' ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ دنیا کے ذہین ترین انسان تھے اور آپ ﷺ اس نتیجے تک پہنچے تھے کہ ہمارا معاشرہ ایک قبائلی معاشرہ ہے اور جب تک قبائل کے سردار میرا ساتھ نہیں دیں گے انقلاب برپا کرنا آسان نہیں ہوگا لیکن اللہ کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اپنے آپ کو روکے رکھیے اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح وشام، وہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور آپؐ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں (جس سے لوگوں کو یہ گمان ہونے لگے کہ) آپؐ دُنیوی زندگی کی آرائش و زیبائش چاہتے ہیں! اور مت کہنا مانیے ایسے شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو چکا ہے۔''

اللہ فرماتا ہے اے نبی ﷺ اپنے آپ کو لگائے رکھو اپنے انہی ساتھیوں کے ساتھ جنہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے جو معاشی طور پر مضبوط نہیں ہیں، لیکن اپنے رب کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے نظریں نہ پھیرنا۔ یہ کیا ہے؟ یہ انقلاب کی ڈائریکشن دی جا رہی ہے، اور اُس کا کہنا مت ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کیا ہوا ہے۔ ولید بن مغیرہ وہاں کا ایک کردار تھا، کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا، ادبی آدمی تھا اور قرآن حکیم کے ادبی پہلو سے بے حد متاثر تھا اور چھپ چھپ کر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن حکیم سنتا تھا اور پھر ملاقات بھی کرتا تھا اور اللہ کے نبی ﷺ کو مشورے دیتا تھا کہ یہ جو آپ کا سخت رویہ ہے یہ صحیح نہیں ہے میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کے اور قریش کے درمیان صلح کروا دوں اور یہ سخت رویہ کیا تھا آج تو ہم بڑے ٹھاٹھ سے سورۃ پڑھتے ہیں: ﴿تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾﴾ (اللہب) ''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ''

آپ سوچیں جب ابولہب زندہ ہوگا اور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورہ مبارکہ مکہ میں پڑھتے ہوں گے تو کیا زلزلہ آتا ہوگا مکہ میں؟ تو یہ سخت رویہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اجازت نہیں دے رہا کہ وہ ولید بن مغیرہ کی بات مانیں بلکہ کہا جا رہا ہے کہ جو بھی آپؐ پر نازل کیا گیا ہے اس کو ڈنکے کی چوٹ پر کہیے، اور ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اُس شخص کو نصیحت کردو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔''

تو پہلا کام کیا ہے کہ جو بھی قرآن کے ذریعے نصیحت حاصل کرتا ہے اس کو نصیحت کرتے رہیں، کرتے رہیں، کرتے رہیں۔ قیامت تک کوئی بھی تحریک اٹھے گی انقلاب برپا کرنے کے لیے اس کے پاس ایک بہترین مینول موجود ہے قرآن حکیم کی صورت میں۔ پہلے ان کو قرآن حکیم سنا سنا کر ان کے دلوں میں ایمان پیدا کیا جائے اور پھر وہ لوگ جو اللہ کو اپنا رب مان لیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیں اور اس زندگی کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو اصل زندگی سمجھنا شروع کردیں تو اب یہ فورس تیار ہوگی جب یہ فورس تیار ہوجائے تو اس کے ذریعے سے کفر کو للکارو، ظالموں کو للکارو اور قرآن حکیم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اپنے معاملات کو آگے بڑھاؤ تو ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

قرآن کریم بلاشبہ ایمان کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے اور انقلاب کے لیے بھی سب سے بڑا گائیڈ قرآن حکیم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم قرآن حکیم کو اپنے لیے ایمان میں اضافے کا ذریعہ بنائیں اور اسی کی روشنی میں اپنے قافلے کو آگے بڑھا سکیں۔ آمین یارب العالمین!

❁❁❁

اقوالِ زریں

❁ ''اللہ کے نزدیک جب کسی انسان کی عزت زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کا امتحان بھی اسی قدر سخت ہوتا چلا جاتا ہے۔''

❁ ''آہستہ چل کر منزل حاصل کرنا تیز چلنے کی وجہ سے تھک کر راہ میں رہ جانے سے بہتر ہے۔''

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(17 دسمبر 2020ء تا 5 جنوری 2021ء)

جمعرات (17 دسمبر 2020ء) کو دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی میں مرکزی اُسرہ کے اجتماع میں شرکت کی۔ بعد نماز ظہر کچھ تنظیمی مصروفیات رہیں۔ شام کو کراچی واپسی ہوئی۔

جمعہ تا جمعرات (18 تا 24 دسمبر 2020ء) کراچی میں معمول کی مصروفیات رہیں۔ جمعہ (18 دسمبر 2020ء) کو جامع مسجد شادمان کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔ کراچی وسطی کے ایک رفیق کی والدہ کی تعزیت کے لیے جانا ہوا۔ نائب امیر سے آن لائن رابطہ رہا۔ محترم نسیم الدین سے ملاقات کی۔ صدر انجمن سندھ انجینئر سید نعمان اختر سے ملاقات کی۔ جمعرات (24 دسمبر 2020ء) کی شام اسلام آباد پہنچے۔ ڈاکٹر ضمیر اختر خان کے ہاں قیام کیا۔ ڈاکٹر ضمیر اختر خان کا محلے کی مسجد میں درس ہوتا ہے وہاں پر جمعہ (25 دسمبر 2020ء) کو کچھ تذکیری گفتگو کی۔ فیض آباد میں توسیعی مشاورت کے اجلاس میں رفقاء کے ساتھ ضروری امور پر گفتگو ہوئی۔ مسجد الفرقان میں اجتماع جمعہ سے "پاکستان کی بقاء اور سلامتی کا ضامن کامل اسلامی نظام" کے موضوع پر خطاب کیا۔ بعدازاں سابقہ رفیق مدثر رشید سے ان کے تقاضے پر ملاقات و گفتگو رہی۔ اس موقع پر ڈاکٹر خالد نعمت اور رؤف اکبر بھی موجود تھے۔ ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی اظہر بختیار خلجی اور راجہ محمد اصغر کے ہمراہ رات لاہور واپسی ہوئی۔

ہفتہ (26 دسمبر 2020ء) کی صبح 8:45 سے 10:00 تک کلیۃ القرآن کے اساتذہ سے تعارف و ملاقات اور قرآن آڈیٹوریم میں طلبہ سے اخلاص اور علم و عمل کے موضوع پر گفتگو کی، جس میں بانی محترمؒ کے حوالے سے انجمن اور تنظیم کے ربط و تعلق پر بھی بات کی۔ پھر نائب امیر، ناظم شعبہ انگریزی و بیرون، ناظم نشر و اشاعت اور آصف حمید سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد مرکز آکر نماز ظہر ادا کی۔ دوپہر کھانے پر امیر حلقہ ملاکنڈ محترم ممتاز بخت کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ بعدازاں 2:30 بجے دین حق ٹرسٹ کے بورڈ آف گورنرز کے اجلاس کی صدارت کی۔ بعد نماز عصر توسیعی عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی جو بعد نماز عشاء تک جاری رہا۔ بعدازاں محترم ناصر بھٹی، ملک لیاقت علی اور سجاد سرور سے نائب امیر و ناظم اعلیٰ کے ہمراہ تنظیمی امور پر نشست رہی۔

اتوار (27 دسمبر 2020ء) کی صبح 8:00 بجے ناشتہ پر حلقہ پنجاب جنوبی کے نائب امیر مرزا قمر رئیس سے ان کے نائب ناظم اعلیٰ، محمد ناصر بھٹی اور نائب امیر و ناظم اعلیٰ کے ہمراہ ملاقات کی۔ بعدازاں 9:00 بجے توسیعی عاملہ کے دوسرے سیشن میں شرکت کی، جو نمازوں کے وقفہ وغیرہ کے ساتھ اذانِ مغرب تک جاری رہا۔ بعد نماز عشاء تربیتی کورس (منتخب نصاب نمبر 1) کے شرکاء سے 8:30 تا 10:00 بجے تک ملاقات، سوال و جواب کی نشست رہی نیز بالمشافہ بیعت کا بھی اہتمام ہوا۔

پیر (28 دسمبر 2020ء) کی صبح 8:00 تا 9:15 بجے منتخب نصاب نمبر 2 کے کورس کے شرکاء کو لیکچر دیا۔

سوموار (28 دسمبر 2020ء) کو دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی میں مرکزی اُسرہ کے اجتماع میں شرکت کی۔ شام کو کراچی واپسی ہوئی۔

منگل تا جمعرات (29 تا 31 دسمبر 2020ء) کراچی میں معمول کی مصروفیات رہیں اور نائب امیر سے تنظیمی امور پر آن لائن رابطہ رہا۔

جمعہ (یکم جنوری 2021ء) کو جامع مسجد شادمان کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔

ہفتہ (02 جنوری 2021ء) کو لاہور آنا تھا، فلائٹ کینسل ہونے کے بنا پر نہ آسکے۔ فیصل آباد کا دورہ بھی اس بنا پر منسوخ ہو گیا۔

منگل (5 جنوری 2021ء) کی صبح ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی اور نائب امیر سے آن لائن اجلاس ہوا۔ بعد نماز ظہر ناظم تربیت خورشید انجم اور نائب امیر کے ساتھ شعبہ تربیت کے بارے میں آن لائن اجلاس ہوا۔ فیصل آباد تربیتی کورسز میں شرکاء کے ساتھ سوال و جواب کی آن لائن نشست ہوئی۔ انڈیا کے جریدہ ھدیٰ ڈائجسٹ کے لیے سوالات کے جوابات کی ریکارڈنگ کروائی۔

انفرادی نصب العین اور اجتماعی ہدف

انجینئر سید نعمان اختر

﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾﴾ (الملک)

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾﴾ (الحج)

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰۤی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ (الشوریٰ:13)

اللہ رب کریم کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس اجتماعیت (تنظیم اسلامی) کے توسط سے ہمیں دین اسلام کے ہر پہلو میں رہنمائی بھی میسر آئی اور اس کو سمجھنا آسان ہوا اور جس کی تذکیر و یاددہانی کا اہتمام تربیتی اجتماعات اور خصوصاً سالانہ اجتماع کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت کا یہ موضوع دین کے فکری و عملی پہلوؤں کی بنیاد بنتا ہے جس کو سالانہ اجتماع کے موضوعات کی ترتیب کے ذیل میں آپ پہلی قسط (First Episode) کہہ سکتے ہیں کہ بحیثیت مسلمان ہمارا فکری قبلہ بھی درست و متعین ہو اور عملی قبلہ بھی واضح رہے۔ موضوع کے دو حصے ہیں۔ پہلے ہم نصب العین کے مفہوم کو سمجھیں گے اور پھر اجتماعی ہدف کے ذیل میں کچھ گزارشات آئیں گی اور آخر میں سمجھ لیں گے کہ ان دونوں کے حوالے سے بحیثیت رفیق تنظیم ہمارا کیا کردار ہونا چاہیے۔

نصب العین کا مفہوم:

انسانی زندگی کے لیے دو چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں: 1۔ مقصد کا تعین 2۔ مقصد کے حصول کا صحیح طریقہ کار۔ طریقہ کار پر بحث اس وقت کا موضوع نہیں ہے..... جہاں تک مقصد کے تعین کی بات ہے تو ایک ہوتا ہے مقصود اصلی جسے نصب العین کہا جاتا ہے اور ایک ہے اس مقصود اصلی کے حصول کے لیے ذرائع کا اختیار کرنا۔ مثال سے سمجھیں کہ باجماعت نماز پڑھنا اگر کسی کا اصل مقصد ہے تو اس کے لیے ذریعہ مسجد ہے تو اب مسجد کا بنانا، اس کے لیے وسائل جمع کرنا، زمین تلاش کرنا ان ذرائع کا حاصل کرنا انسان کے مقاصد میں شامل ہوتے ہیں اپنے مقصود اصلی کو حاصل کرنے کے لیے۔

بحمد اللہ بانی محترمؒ نے تنظیم اسلامی کے اس قافلے کی بنیاد ڈالتے وقت اس پہلو کو نمایاں کیا اور اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی اس بات سے ہوتا ہے کہ قرارداد تاسیس جو اہم فکری دستاویز ہے اور تعارف تنظیم اسلامی نامی کتابچے میں موجود ہے، اس کے پہلے دو جملے اس قرارداد کی جان ہیں:

''آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔ (ایک جملہ میں پورا تصور دین / تصور جماعت اور تنظیم اسلامی کا تعارف موجود ہے)

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اُسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات 'دین کا اصل موضوع ہے' اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔''

جماعت کا کردار: فرد کے نصب العین کے حصول میں ممد و معاون..... یعنی اگر دنیوی لحاظ سے جماعت کامیاب بھی ہوگئی اور فرد ناکام ہوگیا تو اس کا تو سب کچھ ڈوب گیا۔ اس کے برعکس اگر جماعت کامیاب نہ ہوسکی لیکن ایک فرد رب کو راضی کرنے میں کامیاب ہوگیا تو فلاح پا گیا۔ کیوں کہ میرے اور آپ کے لیے اصل مسئلہ دنیوی کامیابی کا حصول نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں اللہ کو راضی کر کے آخرت میں نجات پا جاؤں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران:185) ''تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہوگیا۔''

کوئی ایسی اجتماعی جدوجہد جائز نہیں جو افراد کو ان کے اصل نصب العین سے غافل کر کے محض دنیوی انقلاب کے کارکن بنا کر رکھ دے۔ صرف انقلابی ورکر نہ بن جائیں۔

انفرادی نصب العین کی اہمیت:

بانی محترمؒ انسانی زندگی میں نصب العین کی اہمیت کو اس طرح بیان کرتے تھے:

ہر باشعور انسان کا اپنی زندگی میں کوئی مقصد، کوئی نصب العین، کوئی آدرش (ہندی)..... آنکھوں کے سامنے ایک منزل رہے اور انسان اسی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہو، بڑھتا جا رہا ہو۔ اسی کو goal کہتے ہیں، آئیڈیل کہتے ہیں..... ایسی شے جس کو حاصل کرنے کے لیے انسان پیہم جدوجہد کرے۔ جس شخص کی زندگی میں یہ نہیں ہے وہ چاہے کتنا بھی انسان نظر آ رہا ہو حقیقت میں حیوان ہے۔

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝﴾ (الحج:73) یعنی مطلوب اگر کم تر ہو تو طالب بھی کم تر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم فرمایا کرتے تھے:

ا۔ انسان کہلانے کا حق دار وہی ہے جس کا حیوانی تقاضوں سے بلند تر کوئی مقصد، مطلوب یا نصب العین ہو۔ یہ تو حیوانات ہیں جن کا اپنا کوئی مقصد نہیں ہوتا، وہ زندگی برائے زندگی کے اصول پر جیتے ہیں اور انسان انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اگر کسی انسان کا کوئی معین نصب العین نہیں تو وہ پیکر انسانی میں ایک حیوان ہے اور وہ زندگی نہیں گزار رہا بلکہ زندگی اُسے گزار رہی ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کی وعید قرآن حکیم میں کئی بار آئی ہے:

''ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے غور نہیں کرتے' ان کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں' اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کی مانند ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔'' (الاعراف:179)

''کچھ شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور ہیں وہ بہرے گونگے جو کچھ نہیں سمجھتے''۔ (الانفال: 22)

اسی مناسبت سے قرآن حکیم میں ایک موازنہ بھی کیا گیا دو اشخاص کا:

''بھلا جو شخص (جانوروں کی طرح) چلتا ہو اوندھے منہ

زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر چل رہا ہو برابر (سراُٹھائے ہوئے)''۔(الملک :22)

ii. ''ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ'' کے الفاظ ظاہر کررہے ہیں کہ نصب العین اگر پست ہو تو اُس کے حصول کے لیے سعی وجہد کے نتیجے میں ایک پست سیرت وکردار وجود میں آتا ہے۔نصب العین اگر اعلیٰ وارفع ہو تو اُس کے حصول کے لیے محنت ومشقت سے انسان ایک اعلیٰ شخصیت کی تعمیر کرسکتا ہے۔کمند جتنی اونچی پھینکی جائے گی اِسی قدر بلندی تک انسان چڑھ سکے گا :علامہ اقبال نے تو تحسین فرمائی: ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اس حقیقت کو چند مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے :

۞ جس طرح جسم کو اپنی بھوک کی تسکین کے لیے بہتر غذا نہ ملے تو وہ کم تر غذا کھانے پر مجبور ہوجاتا ہے،اِسی طرح اگر روح کی رسائی اللہ تعالیٰ تک نہ ہو تو پھر وہ کسی کم تر شے کو معبود کا درجہ دے کر نصب العین بنالیتی ہے ۔

۞ سب سے گھٹیا نصب العین کیا ہے؟جگر مراد آبادی......

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں۔انسان اپنی ذات ہی کو نصب العین بنالے..... میرا غلبہ ،میرا اقتدار، میری حکومت، میرے لیے دولت، میرے لیے عزت، میرے لیے شہرت۔اس کے لیے بھاگ دوڑ، محنت، کوشش ۔۔یہ بھی ایک نصب العین ہے۔آسانی سے دولت بھی حاصل نہیں ہوتی ،آسانی سے شہرت بھی نہیں ملتی راتوں کو جاگنا پڑتا ہے، آسانی سے دنیا میں غلبہ بھی حاصل نہیں ہوتا ،لیکن جس کا بھی یہ نصب العین ہوگا وہ انتہائی پست فطرت انسان ہوگا ،وہ تو ہر معاملے میں دیکھے گا میرا مفاد کیا ہے۔وہ کبھی اپنی قوم کے مفاد/عزت کو مقدم نہیں رکھے گا۔وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے اپنی قوم کو بیچ دے گا، دو ٹکڑے کرادے گا، دولت کے لیے انسانوں کی صحت سے کھیلا جائے گا۔ادویات میں گھپلا۔سورۃ القصص:83 میں فرمایا:

''یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں اقتدار واختیار کے خواہاں ہیں اور نہ ہی فساد مچانا چاہتے ہیں۔''

۞ ویسے برا نہ مانئے گا ہماری عظیم اکثریت اسی سطح پر زندگی بسر کررہی ہے۔آج ہم دنیا میں ذلیل کیوں ہیں؟ آج ہمارا نام پوری دنیا میں عزت سے کیوں نہیں لیا جارہا۔

۞ جس کا نصب العین اپنی قوم، برادری یا وطن کی سربلندی ہو وہ پہلے شخص سے بہتر ہوگا اور قومی مفادات کی خاطر ایثار وقربانی کا مظاہرہ کرے گا۔اپنی قوم سے کبھی جھوٹ نہیں بولے گا ،اپنی قوم کو دھوکا نہیں دے گا لیکن دیگر اقوام کے ساتھ ظلم وزیادتی کی انتہا ہوگی۔

۞ جس کا نصب العین انسان دوستی (Humanist) ہو وہ نسبتاً زیادہ فراخ دل اور نوعِ انسانی کی خدمت کے لیے سب کچھ نچھاور کرنے پر آمادہ ہوگا۔وہ پہلے دو سے بہتر ہوگا۔

۞ لیکن اِنسان کو اپنی زندگی کسی گھٹیا اور پست نصب العین کے لیے نہیں برباد کرنی چاہیے۔انگریزی میں کہا جاتا ہے "Never settle for less"

''کبھی بھی کم کے لیے حل نہیں''

۞ اعلیٰ ترین نصب العین ہے ذات باری تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول۔ بقول اقبال ''منزلِ ما کبریاست'' یعنی میری منزل مقصود اللہ کی ذات سے کم کہیں نہیں ہے اور ''یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ''۔اپنی صلاحیتیں لگانے اور زندگی کھپانے کے لیے اعلیٰ ترین نصب العین اللہ کی رضا جوئی ہے ۔

۞ جس کی رسائی یہاں تک ہوگئی اب ایسا انسان صرف انسانیت سے نہیں جملہ مخلوقات سے محبت کرتا ہے، اِس لیے کہ وہ اُس کے محبوب کی تخلیق ہیں۔گویا مطلوب اگر بلند ہو تو طالب کو بھی بلند کرداری حاصل ہوجاتی ہے۔

۞ اِس نصب العین سے جو سیرت وکردار وجود میں آتا ہے اس کا کامل واکمل نمونہ نبی کریم ﷺ ہیں۔وہ الفاظ یاد کیجیے کہ جو آنحضور ﷺ کی زبانِ مبارک پر اس دنیا سے رحلت کے وقت بار بار آئے: ''اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ''،یعنی بس ایک اللہ ہی مطلوب ومقصود ہے اور اب اُسی کی طرف مراجعت کے لیے طبیعت بے چین ہے۔

اجتماعی ہدف:

آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف۔

علامہ اقبال نے اس مصرع میں دو چیزیں جمع کردیں کسی تیرانداز کی جدوجہد کے ضائع اور بے نتیجہ ہونے میں دو عوامل (factors) شامل ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہدف (Goal) معین نہیں۔ دوسرا یہ کہ کمان کو پوری قوت سے کھینچا نہیں گیا ہے۔اس پر پورا زور نہیں لگایا گیا ہے۔یہ دونوں چیزیں نہیں ہوں گی تو تیر بے کار جائے گا۔لہٰذا فرد ہو یا جماعت اس کا معین ہدف کا ہونا اور اس کے لیے بھرپور سعی لازم وملزوم ہے۔وہ اجتماعی ہدف کیا ہے؟

﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی،اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے،اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیمؑ کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو کہ قائم کرو دین کو۔اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''(الشوریٰ:13)

انفرادی نصب العین اور اجتماعی ہدف کے تقاضے:

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ ایک انسان کو جب اس کے نصب العین یا ہدف کا شعور حاصل ہوجائے اور اس کی منزل متعین ہوجائے کہ اسے کہاں پہنچنا ہے تو وہ یکدم ایک ہی جست میں اس ہدف تک نہیں پہنچ سکتا' بلکہ سب سے پہلے اسے اپنے سفر کا نقطہ آغاز متعین کرنا ہوگا اور پھر منزل بہ منزل اپنے منتہائے مقصود تک پہنچنا ہوگا۔

رضائے الٰہی کا حصول اور اُخروی نجات جب ہمارا انفرادی نصب العین ہے تو اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں:

قرارداد تاسیس میں چند تقاضے تجویز کیے گئے اور اجتماعیت کی نوعیت کو واضح کیا گیا:

''لہٰذا پیش نظر اِجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ اُس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقہٗ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جِلا حاصل ہو' ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے' ان کے عقائد کی تصحیح وتطہیر ہو' عبادات اور اتباعِ سنت سے اُن کا شغف اور ذوق وشوق بڑھتا چلا جائے' عملی زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں اُن کی حس تیز تر اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی برتقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت واشاعت اور اس کی نصرت واقامت کے لیے اُن کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام اُمور کے لیے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیر صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔''

1. فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت

2. تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو
3. علم میں مسلسل اضافہ
4. عقائد کی تصحیح وتطہیر
5. عبادات اور اتباعِ سنت سے اُن کا شغف اور ذوق وشوق بڑھتا چلا جائے
6. عملی زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں اُن کی حس تیز تر
7. دعوت و اقامت کے لیے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے
8. اِن تمام اُمور کے لیے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیر صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

انفرادی نصب العین-اجتماعی ہدف اور رفقاء تنظیم:

۞ ہم اپنا رخِ حیات متعین کریں۔ ارشاد ہوا ہے:

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ﴾ (البقرۃ:148)

۞ اگر اللہ کی رضا ہی نصب العین ہے تو پھر ہمارا ہر رفیق رضا بالقضا کا نمونہ ہو۔ اللہ کے ہر فیصلے پر تسلیم و رضا کی کیفیت ہو۔

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
امتحاں سخت سہی پر دلِ مومن ہی وہ کیا
جو ہر اک حال میں امید سے مامور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں
(مولانا محمد علی جوہر)

۞ دنیا کی کوئی محبت ہمارے نصب العین اور ہدف کے حصول میں رکاوٹ نہ بنے۔ بیوی بچوں کو بھی اس مشن میں اپنا دست و بازو بنائیں۔ اللہ کے حضور روئیں گڑگڑائیں کہ اللہ میری اولاد کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔ مشن میں شامل کردے۔

۞ اجتماعی ہدف یعنی اقامت دین کی جدوجہد میں میرے نبی ﷺ کا خون بہے اور میرا پسینہ بھی نہ بہے!

۞ اس عظیم مشن میں صحابہ کرامؓ اپنی جانیں قربان کریں اور امیر و نقیب کی پکار پر میں اپنی نیند و راحت و گرم بستر قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہوں!

۞ نبی ﷺ کے جانثار ساتھی انفاق کی پکار پر اپنا مال و متاع لٹانے کے لیے بے تاب ہوں اور ہمارے پیچھے نقیب ہلکان ہوتا رہے ماہانہ انفاق کے لیے!

۞ وہ عظیم ہستیاں لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے باطل کی ظلم وستم کی آگ میں جلیں اور ہم جھجک محسوس کریں احباب کو حلقہ قرآنی سے جوڑنے میں!

۞ دشمن ان کو رحبان باللیل دیکھیں اور ہمارے محلے والے ہمارے احباب ہمیں فجر کی نماز میں نہ دیکھیں!

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

۞ فرانسیسی مصنف Alphonse de Lamartine نے جو کہا کہ

"If greatness of purpose, smallness of means, and astonishing results are the three criteria of a human genius, who could dare compare any great man in history with Muhammad (ﷺ)"

''کم وسائل کے ساتھ عظیم مقصد کا حصول، حیران کن نتائج اگر یہ تین چیزیں اعلیٰ شخصیت کا خاصہ ہیں تو حضرت محمد ﷺ جیسی عظیم شخصیت کے ساتھ تقابلے کی جرأت کون کرسکتا ہے''۔

اللہ سے دعا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عظیم مقصد یعنی دین کے غلبہ کے لیے ہمیں آخری سانس تک جدوجہد کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے نصب العین یعنی رضائے الٰہی اور اُخروی نجات کو ہمارے ذہنوں میں مستحضر فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین!

کوئی بن گیا رونق پکھیاں دی
کوئی چھوڑ کے شیش محل چلیا
کوئی پلیا ناز تے نخریاں وچ
کوئی ریت گرم تے تھل چلیا
کوئی بھل گیا مقصد آون دا
کوئی کر کے مقصد حل چلیا
ایتھے ہر کوئی فرید مسافر اے
کوئی اج چلیا کوئی کل چلیا
(بابا فرید)

ضرورت رشتہ

☆ بخاری (سنی) فیملی کی 31 سالہ، ایف اے پاس خوش شکل، متعلقہ، پابند صوم صلوٰۃ بیٹی کے لیے، برسرروزگار، دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0323-4236936

☆ کشمیری بٹ فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 32 سال، تعلیم میکینکل انجینئرنگ (سائپرس)، قد 6 فٹ، کے لیے دینی مزاج کی حامل ڈاکٹر یا انجینئر لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0300-0302022

☆ بخاری (سنی) گھرانے کو اپنی بیٹی، 29 عمر سال، تعلیم ماسٹرز انگلش لٹریچر، پابند صوم صلوٰۃ کے لیے، خوبصورت وخوب سیرت دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0332-4236936

☆ لڑکا عمر 38 سال تعلیم بی اے، شعبہ صحافت میں برسرروزگار، کے لیے دینی مزاج کی حامل نیک سیرت لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0333-4718480
0303-4254335

☆ کشمیری بٹ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم بی ایس سی، دوسالہ MIT ڈپلومہ، قد 5.2 فٹ کے لیے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔ لاہور، گوجرانوالہ کے رہائشی قابل ترجیح۔
برائے رابطہ: 0300-8499697

☆ کھوکھر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 31 سال، تعلیم ایم ایس سی، کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ، برسرروزگار لڑکے کا لاہور سے رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0303-9555592

☆ راجپوت فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 35 سال، پرائیوٹ کمپنی میں ملازمت، کو عقد ثانی کے لیے (پہلی بیوی سے بوجہ علیحدگی) دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ دو سال کا بیٹا بھی ساتھ ہے۔
برائے رابطہ: 0300-8401083

ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟

عبدالسلام عمر، کوئٹہ

الحمدللہ ہم مسلمان اس حقیقت پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھتے ہیں کہ اس سلسلہ کون ومکان کا خالق ومالک اور اسے چلانے والی ہستی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی دیگر مخلوقات کی طرح بنایا اور اس کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی انبیاء ورسل علیہم السلام کا انتخاب فرمایا جن کو ایک جانب وحی کے ذریعہ سے ہدایت بخشی اور دوسری جانب ان انبیاء ورسل کی زندگی کو دیگر انسانوں کے لیے صراطِ مستقیم پر زندگی گزارنے کا ''نمونہ'' بھی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی میں سے دنیا کی زندگی کو ''امتحان وآزمائش'' قرار دیا اور اس امتحان کے نتیجہ کا دن یوم آخرت کو قرار دیا یعنی وہ یوم الدین (بدلے کا دن) اور یوم التغابن (ہار جیت کا دن) ہے۔

دین اسلام ہم ماننے والوں سے کیا مطالبہ کرتا ہے یعنی دین اسلام کی چاہت کیا ہے کہ ہم مسلمان کیسی زندگی گزاریں؟ یا آسان الفاظ میں یہ کہ عمل کرنے کی وہ کون سی لازمی باتیں ہیں جن سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے اور جو ہمارے بنانے کا مقصد بھی ہیں۔ ذیل میں ہم ان باتوں پر قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصراً کلام کریں گے۔

عنوان کی طرف نظر دوڑائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارا دین اسلام کے بارے میں کیا تصور کیا ہے؟ یعنی کیا ہم اسے محض چند مذہبی رسومات اور عبادات کے طور طریقوں تک ہی محدود سمجھتے ہیں یا پھر اس سے بڑھ کر اسے کل زندگی کے لیے قابل عمل ''مکمل ضابطہ حیات'' مانتے ہیں؟ کیونکہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جیسا اور جتنا تصور ہوگا ویسا اور اتنا ہی عمل ہوگا۔ اگر تصور محدود اور جامد ہوگا تو عمل میں بھی محدودیت اور جمود واضح طور پر دکھائی دے گا اور اگر تصور جامع اور حرکی ہوگا تو عمل میں بھی جامعیت اور تحریک نمایاں ہوگی۔

ہمارے عنوان کے الفاظ پر غور کریں ان میں ''دین اسلام'' سے مراد زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جو اللہ پاک کی دی گئی ہدایات کے مطابق ہو، جبکہ لفظ ''ہم'' سے مراد ہم مسلمان (ماننے اور تسلیم کرنے والے) چاہت سے مراد ''دین اسلام کی چاہت یعنی مطالبات ہیں۔ اس مختصر سی وضاحت کے بعد ہم کچھ تفصیل بیان کریں گے۔

دین اسلام کا جامع تصور یہ ہے کہ یہ دین تمام کائنات اور تمام انبیاء کرام کا دین ہے اور اس کی بنیادی خاصیت یہ ہے کہ یہ سرتاپا اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری پر مشتمل ہے مزید یہ کہ یہ زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے یعنی اس میں انفرادی زندگی کے تین گوشے 1۔ عقائد 2۔ عبادات 3۔ رسومات اور اجتماعی زندگی کے تین گوشے یعنی 1۔ معاشرتی نظام 2۔ معاشی نظام 3۔ سیاسی نظام شامل ہیں۔

اگر آپ سب حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے تو ہم اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں اور وہ اپنا نفاذ مانگتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک بندہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائے۔

اگر اسلام پر پورا عمل کرنا ہے تو ایک بندہ مومن کو کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے سامنے دین کا مکمل نظام واضح ہو کر سامنے آگیا ہے۔ اس کام کے لیے جو چیز سب سے پہلے چاہیے یا اس کام کا جو نکتہ آغاز ہے وہ ہے: ''ماننا'' ماننے کی دینی اصطلاح ہے ''**ایمان**''

ایمان: ایمان دو طرح کا ہوتا ہے

1۔ ظاہری: اقرار باللسان، قانونی ایمان، اسلام

2۔ باطنی: تصدیق بالقلب، حقیقی ایمان

اس سے یہ بات سامنے آئی کہ اصل ایمان والے وہ ہیں جن کے دل میں ایمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (الحجرات:14) ''یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے نبی ﷺ ان سے) کہہ دیجیے: تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مسلمان (اطاعت گزار) ہو گئے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

حقیقی ایمان کے دو تقاضے ہیں:

1۔ یقین 2۔ جہاد فی سبیل اللہ

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵﴾ (الحجرات)

''مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسول ؐ پر، پھر شک میں ہرگز نہیں پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ یہی لوگ ہیں جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔''

ہم جس ایمان کی بات کریں گے وہ ہے یقین والا یعنی حقیقی ایمان اور جب کسی چیز پر یقین آجائے تو اُس سے عمل خود بخود پھوٹتا ہے۔

ہر مسلمان سے دین کے تین بنیادی تقاضے ہیں:

پہلا مطالبہ: دعوت دین

کیونکہ یہی ہماری تخلیق کا مقصد ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ (الذاریات)

آج ہم نے اپنی عبادت کو صرف عبادات تک محدود کر دیا ہے۔ جبکہ عبادت لفظ عبد سے نکلا ہے اور عبد کہتے ہیں غلام کو۔ غلام 24 گھنٹے کا غلام ہوتا ہے اور اُسے ہر وہ کام کرنا ہوتا ہے جو اُس کا آقا کہے گا۔ لہٰذا عبادت رب کا مطلب ہے اللہ کے تمام احکامات کو ہمہ وقت ماننا۔ اس لیے ہمیں عبادات دی گئیں تاکہ عبادت رب آسان ہو جائے۔ انسان لفظ نسیان سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے بھول جانے والا۔ لہٰذا

نماز: پانچ وقت یاددہانی ہو جائے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾

روزہ: تاکہ نفس کے منہ زور گھوڑے پر قابو کیا جا سکے۔

زکوٰۃ: مال کی محبت سے دل کو پاک کیا جا سکے۔

حج: قومی محبت سے دل کو پاک کیا جا سکے۔

اگر آپ خود عبادت کر رہے ہیں تو اُس سے

عبادت آگے پھیلنی چاہیے۔

جیسے برف کی سل سے ٹھنڈک پھیلتی ہے اور آگ کے انگاروں سے گرمی۔ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت اس کی محبت سے سرشار ہو کر کی جائے اور یہ اطاعت جزوی اور من چاہی نہ ہو بلکہ غیر مشروط طور پر ہو جیسے غلام اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے۔

دوسرا مطالبہ: دعوت دین

یہ تو ایک منطقی نتیجہ ہے اس بارے میں قرآن مجید کا کیا حکم ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:143)

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آل عمران:110)

ہم اللہ کے رسول ﷺ کے رسول ہیں۔ کیونکہ تکمیل رسالت کے بعد اس کو آگے پہنچانے کا کام اُمت محمدیہ کو سونپا گیا۔

دعوت دین کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک آپ اس کا ایک نمونہ نہ دکھا دیں۔ جب تک آپ اس نظام کو چلا کر نہ دکھا دیں۔ دعوت دین مکمل نہیں ہو سکتی اور عبادت رب کامل نہیں ہو سکتی جب تک وہ نظام قائم نہیں ہو گا۔

تیسرا مطالبہ: اقامت دین

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۽ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (المدثر)

''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ) آپ اُٹھیے اور (لوگوں) کو خبردار کیجیے اور اپنے رب کی بڑائی کرو۔''

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ﴾

(التوبہ:33، الصف:9، الفتح:28)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اس کو پورے نظام زندگی پر۔''

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ﴾ (الشوریٰ:13) ''کہ قائم کرو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

تفرقہ کہتے ہیں پھاڑ دینے کو۔ کہ ایک حصے پر عمل کر لو اور ایک حصہ کو چھوڑ دو۔

دیکھئے یقین کی کوکھ سے نکلے ہیں یہ تینوں فرائض اور ان کے لیے جو جستجو اور کوشش کی جائے گی اُس کی دینی اصطلاح **جہاد** ہے اور جب اس جہاد کا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی ہو تو یہ **جہاد فی سبیل اللہ** ہو جائے گا۔ اور **ایمان** کی دونوں شرطیں پوری ہو جائیں گی۔

ان تینوں فرائض کو پورا کرنے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے جماعت اور کسی بھی بامقصد کام کے لیے اجتماعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت:

دین اسلام میں اہم امور زندگی اور شعائر دینی کی ادائیگی کے لیے اجتماعیت اختیار کرنے کی انتہائی تاکید کی گئی ہے: مثلاً

1۔ سفر کے حوالے سے ہدایت ہے کہ:

((اِذَا اَخرَجَ ثَلاثَۃٌ فِی سَفرٍ فَلیُؤَمِّرُوا اَحَدَھُم)) (ابوداؤد)

''جب تم میں سے تین آدمی سفر پر نکلیں تو چاہیے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔''

2۔ تمام ارکان اسلام یعنی نماز، روزہ، اموال ظاہر پر زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی اجتماعی نظم کے تحت ہوتی ہے۔

3۔ نماز جمعہ اور عیدین کی ادائیگی بغیر اجتماعیت کے ممکن نہیں۔

اجتماعیت کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

قرآن حکیم، انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر عمل کے لیے اجتماعیت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

1۔ انفرادی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے صادقین کی صحبت سے استفادہ ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبہ)

''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔''

اگر آدمی اکیلے زندگی بسر کر رہا ہے تو کون اُس کی اصلاح کرے گا؟ جماعتی زندگی کی یہ برکت ہے کہ ساتھی خامیوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اور اس طرح انسان کا تزکیہ ہوتا رہتا ہے۔

2۔ دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینے کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں'' (آل عمران:104)

3۔ سورۃ المائدہ رکوع نمبر 4 میں بیان کیا گیا کہ اللہ کے دو جلیل القدر رسول حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ باوجود شدید خواہش کے دین غالب نہ کر سکے کیوں کہ قوم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ گویا بغیر اجتماعیت کے دین کے غلبے کی جدوجہد کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ا۔عَنْ عمرَ ؓ عَنِ النّبیِ ﷺ قَالَ:((عَلَیکُم بِالجمَاعَۃِ وَاِیَّاکُم وَالفُرقَۃِ فَاِنَّ الشَّیطٰنَ مَعَ الوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الاِثنَینِ اَبعَدُ مَن اَرَادَ بحبوحۃَ الجنَّۃِ فَلیَلزَمِ الجمَاعۃ))(رواہ ترمذی)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم پر جماعت کا التزام کرنا لازم ہے اور یہ کہ جدا ہونے سے بچو۔ پس بے شک شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے نسبتاً زیادہ دور رہتا ہے۔ جو کوئی جنت کی خوشبو (کے حصول) کا طلب گار ہو پس وہ جماعت کے ساتھ جڑا رہے۔

2۔عن ابن عمر ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: ((یداللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ الی النار))

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:'' جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جو کوئی جماعت سے علیحدہ ہوا، وہ علیحدہ کر دیا گیا جہنم کی طرف۔'' (الجامع الصغیر)

3۔عَنِ الحارثِ الاَشعَرِی ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ:((آمُرُکُم بِخَمسٍ (اَللّٰہُ اَمَرَنِی بِھِنَّ) بِالجمَاعَۃِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَۃِ وَالھِجرَۃِ وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ)) (ترمذی، مسند احمد)

حضرت حارث الاشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا:''میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جماعت سے ساتھ ہو جاؤ، سنو اور مانو، اور ہجرت کرو اور جہاد فی سبیل اللہ کرو۔''

☆ اجتماعیت کے لیے بیعت کی اساس مسنون ہے:

نبی اور اُمتی کا رشتہ انسانی زندگی کا اہم ترین رشتہ

ہے۔ کسی ہستی کو نبی مان لینے کے بعد اس کے ہر حکم کی اطاعت لازم ہے اور نافرمانی سے انسان کا ایمان ہی معتبر نہیں رہتا۔ (سورۃ الاحزاب: 36)۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ اپنے اُمتیوں سے سمع وطاعت کی بیعت لیں۔ لیکن آپ ﷺ نے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک سنت جاری فرمائی اور مختلف مواقع پر صحابہ کرام ؓ سے بیعت لی۔ اس سلسلے میں چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

1- 12 نبوی ﷺ میں اہل یثرب سے لیلۃ العقبۃ میں بیعت لی گئی۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ

2- 13 نبوی ﷺ میں اہل یثرب سے بیعت لی گئی۔ بیعتِ عقبۂ ثانیہ

3- 5 ہجری میں غزوۂ احزاب سے قبل خندق کی کھدائی کے دوران کا ایک واقعہ جس میں بیعتِ جہاد کا ذکر ہے:

((نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا)) (بخاری)

''ہم ہیں وہ جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر رہتے دم تک جہاد کے لیے بیعت کی ہے''۔

6 4- ہجری میں صلح حدیبیہ سے قبل بیعتِ رضوان (خونِ عثمان ؓ کا بدلہ لینے کے لیے)

5- خواتین سے بیعت۔ بیعت النساء (سورۃ الممتحنۃ: 12)

☆ اجتماعیت کے لیے بیعت کی اساس ماثور ہے:

اجتماعیت کے لیے بیعت کی اساس ماثور ہے یعنی سلف صالحین سے اسی اساس کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ یہ اصول طے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جائے گی وہ بیعت سمع وطاعت فی المعروف ہو گی۔ یعنی صرف ایسی باتوں کے ذیل میں امیر کی اطاعت کی جائے گی جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف نہ ہوں۔

شخصی بیعت کے حوالے سے اسلاف سے ہمیں حسبِ ذیل مثالیں ملتی ہیں:

1- خلافتِ راشدہ میں چاروں خلفاء کی خلافت بیعت سمع وطاعت کے نظم پر قائم ہوئی۔

2- دورِ ملوکیت میں حکمران خود کو خلیفہ کہلواتے رہے اور عوام سے بیعت لیتے رہے۔

3- دورِ ملوکیت میں حکومت کے خلاف تحریکیں بیعت کی اساس پر اُٹھائی گئیں۔ جن اصحاب نے یہ تحریکیں برپا کیں وہ حسب ذیل ہیں:

i- حضرت حسین ؓ بن علی ؓ شہادت 61 ہجری دورِ بنواُمیہ

ii- حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ شہادت 73 ہجری دورِ بنواُمیہ

iii- حضرت زید بن علی بن حسین ؓ شہادت 121 ہجری دورِ بنواُمیہ

iv- حضرت محمد بن عبداللہ ؒ (نفس ذکیہ) شہادت 145 ہجری دورِ بنوعباس

v- حضرت حسین بن علی ؓ شہادت 170 ہجری دورِ بنوعباس

4- دورِ غلامی میں غیر مسلم حکومتوں کے خلاف آزادی اور احیائے اسلام کی تحریکیں بیعت کی اساس پر چلائی گئیں۔ لیبیا میں سنوسی تحریک، سوڈان میں مہدی تحریک، نجد میں وہابی تحریک اور برعظیم پاک وہند میں تحریک شہیدین کی اساس بیعت پر تھی۔

بیسویں صدی عیسوی میں احیائے دین کے لیے جو تحریکیں شروع ہوئیں اُن میں مصر کی الاخوان المسلمون (امیر حسن البنا شہیدؒ) اور برعظیم پاک وہند میں حزب اللہ (امیر مولانا ابوالکلام آزاد) کی بنیاد بیعت پر رکھی گئی۔

1920ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے تجویز پیش کی کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند مان کر ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی جائے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔

دسمبر 1994ء میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب ''علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین'' شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے انکشاف کیا اور شواہد پیش کیے کہ علامہ اقبال بھی اپنی زندگی کے آخری دور میں جمعیت شبان المسلمین کے نام سے ایک جماعت بنانا چاہتے تھے جس کی اساس بیعت کے اصول پر قائم کرنے کا ارادہ تھا اور جس کا مقصد دین اسلام کا احیاء تھا۔

(ملاحظہ فرمایئے علامہ اقبال کی آخری خواہش، مؤلف: حافظ عاکف سعید)

☆ اجتماعیت کے لیے بیعت کی اساس معقول ہے:

1- دنیا میں کوئی نظام یا ادارہ چل ہی نہیں سکتا جب تک کے اس میں کوئی ایک ایسا عہدیدار یا Cader موجود نہ ہو جس کا فیصلہ حتمی یا حرف آخر ہو۔

2- کسی بھی اجتماعیت کے نظم کا تعلق اس کے کام اور ہدف سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اجتماعیت محض خدمتِ خلق، تبلیغ، تدریس، نشر واشاعت وغیرہ کے لیے بنی ہے اور جس میں کسی قوت سے عملی ٹکراؤ کی نوبت آنے کا امکان نہیں وہاں ڈھیلا ڈھالا نظم بھی چل سکتا ہے۔ البتہ جہاں معاملہ انقلابی نوعیت کا یعنی نظام کی تبدیلی کا ہو اور کسی دشمن سے ٹکراؤ کا اندیشہ بھی ہو وہاں تو سمع وطاعت ہی کا نظم نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

3- دنیا میں آج تک جتنے بھی اہم اور قابل ذکر کام ہوئے ان کے پیچھے کسی ایک ہی شخصیت کی رہنمائی وقیادت ہمیں نظر آتی ہے۔ بقول مولانا مودودیؒ:

''کوئی تحریک اس کے بغیر نہیں چل سکتی کہ اس کو ایک شخصیت لے کر چلے جسے تحریک کے اندر بھی دلوں اور دماغوں پر غیر معمولی اثر حاصل ہو اور تحریک کے گرد وپیش عام پبلک میں بھی اس کے اثرات پھیلتے چلے جائیں۔ دینی تحریک ہو یا دنیوی، ایک شخصیت کے بغیر اس کا کام نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اسلامی تحریک کے لیے انبیاء کی شخصیتیں سامنے لا کر رکھ دیں اور ان کا غیر معمولی وزن اپنی مشیت ہی سے نہیں، اپنے احکام سے بھی قائم کیا۔ انبیاء کے بعد جب اور جہاں بھی کوئی دینی تحریک اُٹھی ہے ایک شخصیت کے بل پر اُٹھی ہے، اور بڑی بڑی شخصیتوں نے کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں بلکہ خدا کے دین کی خاطر یہ ایثار کیا ہے کہ اپنا سارا وزن اس کے وزن میں شامل کر کے اس کا وزن بڑھایا اور گرد وپیش کی دنیا میں اس کا اثر قائم کیا''۔ (اقتباس از تحریک جماعتِ اسلامی کا ایک گمشدہ باب صفحہ 316، مؤلف: ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

خلاصۂ کلام:

اب تک کی ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام اپنے ہر ماننے والے سے تین مطالبات کرتا ہے یعنی عبادت رب، دعوت دین اور اقامت دین۔ پھر ان مطالبات کو پورا کرنے کے لیے تین لوازمات کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ پہلا لازمہ جہاد فی سبیل اللہ (مسلسل وپیہم کوشش)، دوسرا لازمہ جماعت (سمع وطاعت والی) اور تیسرا لازمہ یہ جماعت بیعت کی مسنون بنیاد پر قائم واستوار ہو۔

اللہ پاک ہمیں دین کے ان بنیادی تقاضوں کا شعور عطا فرمائے اور ان کو پورا کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀

اسلامی تنظیم میں سمع وطاعت کے تقاضے

2002ء میں حلقہ لاہور کے ملتزم رفقاء کے اجتماع سے

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خطاب

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم... اما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ لا قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ قف وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾﴾

(البقرۃ)

محترم رفقاءِ تنظیم اسلامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہماری تنظیم اور تحریک کی رفتار پہلے بھی کبھی طوفانی قسم کی تو نہیں تھی‘ کبھی برق رفتاری کے ساتھ ہمارا کام آگے نہیں بڑھا ہے‘ جبکہ ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سی تحریکیں‘ تنظیمیں اور دعوتیں بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی ہیں۔ لسانی عصبیت کی بنیاد پر ایم کیو ایم کی تحریک جس طرح جنگل کی آگ کی طرح پھیلی‘ وہ ہمارے سامنے ایک مثال ہے۔ فرقہ وارانہ عصبیت کی بنیاد پر سپاہ صحابہؓ کی تحریک جس طرح پھلی پھولی اور تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھی وہ بھی ایک اہم مثال ہے۔ ہمارے ہاں سوادِ اعظم جو ہے وہ بریلوی مکتب فکر سے متعلق ہے چاہے رسمانہ ہو لیکن اپنے ذہن‘ فکر‘ عقائد اور رسومات کے حوالے سے وہ اسی طبقے سے متعلق ہے اور بریلوی مکتب فکر نے تنظیمی اعتبار سے جو مختلف شکلیں اختیار کیں وہ بھی مثالیں ہمارے سامنے ہیں‘ وہ ہری پگڑی والے ہوں یا سیاہ پگڑی والے ہوں۔ بہرحال ہمارا جہاں تک معاملہ ہے آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ہمیشہ دو الفاظ استعمال کئے ہیں Slow & Steady۔ پس اس سے زائد کی بات کبھی بھی نہیں رہی۔ لیکن ادھر کچھ عرصہ سے ہمارے اوپر اضمحلال کچھ زیادہ ہی طاری ہے‘ افسردگی کی کیفیت ہے‘ بلکہ کافی حد تک جمود ہے۔ اور اس کا اصل سبب وہ حادثات ہیں کہ جن سے ہمیں حال ہی میں دوچار ہونا پڑا ہے۔ سب سے عظیم حادثہ طالبان کے ساتھ جو کچھ افغانستان میں ہوا‘ وہ ہم سب کے لیے بہت بڑے صدمے کا موجب ہوا۔ اس صدمے نے ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس سے افسردگی طاری ہوئی اور اس کا نتیجہ اضمحلال کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور یہ تمام چیزیں فطری اور طبعی ہیں۔ چونکہ کچھ امیدیں وابستہ ہوگئی تھیں‘ کچھ توقعات ہم نے قائم کر لی تھیں‘ لہٰذا وہ سارا محل جب ایک دم دھڑام سے زمین بوس ہوا تو یقیناً اس کے جو نتائج وعواقب (repercussions) تھے وہ قابل فہم ہیں۔

اس کے بعد اس کے اثرات ذرا کم ہوئے تھے کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ربا کے بارے میں جو آیا ہے اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ زیادہ لوگوں نے اس کو محسوس نہیں کیا‘ لیکن میں نے اور بعض دوسرے رفقاء نے پوری شدت کے ساتھ اسے محسوس کیا ہے۔ چنانچہ مجھ پر بہت سخت صدمے اور افسردگی کی کیفیت طاری رہی ہے اور میں نے اسے ڈپریشن سے تعبیر کیا۔ میں نے سب کے سامنے کہا کہ میں اس وقت ڈپریشن کی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید یہ شدید ترین اثر مجھ ہی پر ہوا ہے‘ مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اور رفقاء کا حال بھی کچھ اس کے لگ بھگ ہے اور ان پر بھی شدید صدمہ‘ کرب اور رنج وغم کی کیفیت طاری ہے۔ لیکن یہ جو موقع ہے یہ درحقیقت ہمارے صبر وثبات اور استقلال کے لیے ایک بہت بڑے امتحان کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی لیے میں نے آج یہ آیات تلاوت کی ہیں:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط﴾ ''اے اہل ایمان! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو''۔ عربی زبان میں صبر دراصل کہتے ہیں: اپنے آپ کو روکے رکھنا‘ تھامے رکھنا‘ حالات سے متاثر نہ ہونا‘ اونچ نیچ سے زیادہ تاثر نہ لینا‘ نہ تکلیف سے بددل ہونا اور نہ ہی اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بوچھاڑ ہوجائے تو اس سے متاثر ہونا۔ یعنی جماؤ‘ ٹھہراؤ‘ دوام‘ تسلسل اور استقلال کی کیفیت کے لیے درحقیقت لفظ صبر کا استعمال ہوتا ہے۔ فرمایا: ''اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے''۔ اور آپ اندازہ کیجئے‘ نماز تو دین کا ستون ہے ((اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ)) مگر اس کا ذکر بھی بعد میں ہے‘ صبر کا پہلے ہے۔ اگر اپنی طبیعت کے اندر یہ ٹھہراؤ اور جماؤ نہ ہو تو گویا نماز بھی اس درجے مفید نہیں ہوگی۔ اس کی برکات کے ظہور کے لیے شرطِ اوّل صبر ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○﴾ ''یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ انہیں اللہ کی معیت حاصل ہے۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوجائیں انہیں مردہ نہ کہو‘ بلکہ یہ زندہ ہیں‘ مگر تمہیں اس کا شعور نہیں ہے''۔ ظاہر بات ہے جتنے بڑے پیمانے پر طالبان نے اور القاعدہ کے لوگوں نے اپنی جانیں اس وقت پیش کی ہیں اور جام شہادت نوش کیا ہے ہم نے ان کی جدوجہد کو خالص جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ ہم اپنے موقف پر پوری طرح مطمئن ہیں اور اس جہاد فی سبیل اللہ میں یہ جانیں گئی ہیں تو یقیناً شہادت کے جو بلند ترین مراتب ہیں ان پر یہ حضرات فائز ہوئے ہیں۔

اس صورت حال میں ہمارے لیے جو امتحان ہے اس کی طرف اشارہ اگلی آیت میں ملتا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ○﴾ ''اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف وخطر‘ فاقہ کشی‘ جان ومال کے نقصانات اور ثمرات کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے''۔ ہمارے لیے اس وقت خوف کی کیفیت بھی ہے۔ پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے طرح طرح کے شکوک وشبہات ہیں۔ میں اپنے کل کے خطاب جمعہ میں بھی ایک انگریزی مضمون کا حوالہ دے چکا ہوں کہ جو پاکستان میں لکھا جانے والا اور پاکستان کے ایک انگریزی روزنامہ میں شائع ہونے والا مضمون کس قدر

مایوسی کا عکاس ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ہمارے لیے یقیناً صدمے اور تشویش میں اضافے کا موجب ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ اسلام کے حوالے سے ہماری تو پاکستان کے مستقبل سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

الفاظ قرآنی ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ میں خاص طور پر ''ثمرات کے نقصان'' سے مراد کیا ہے؟ ثمرات کا عام ترجمہ پھل کیا جاتا ہے' لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ میں جب بھی اس مقام سے گزرا ہوں میں نے اسے 'محنتوں کا حاصل'' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی انسان یہ دیکھے کہ ہمارے اتنے عرصے کی محنتیں تھیں اور وہ چشم زدن میں ختم ہوگئیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال شریعت اپیلٹ بنچ کا یہ فیصلہ ہے جو سود پر آیا ہے۔ تقریباً ربع صدی کی محنت کو اس ایک فیصلے نے زیرو کر دیا ہے اور ہم پھر Square One میں پہنچ گئے ہیں۔ اور اب اس Square One میں کھڑے ہو کر بھی جدوجہد کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہے' اس لیے کہ وہ آخری تلوار تو ان کے ہاتھ میں ہے' جب چاہیں گے چلا دیں گے۔ اگر اس موقع پر انہوں نے مولانا تقی عثمانی صاحب کو ہٹا کر اور دو بالکل غیر معروف قسم کے لوگوں کو اس شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج بنا کر بٹھا دیا اور جو فیصلہ چاہا حکومت نے لے لیا تو یہ کام کبھی بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہ محنتیں جو اتنی ضائع ہوئیں تو اب دوبارہ اس محنت کو کرنے پر طبیعت بمشکل آمادہ ہوگی۔

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝﴾ ''(اے نبیؐ!) بشارت دے دیجئے صبر کرنے والوں کو''۔ پھر نوٹ کیجئے' صبر سے مراد جمے رہنا' ڈٹے رہنا' کھڑے رہنا' اپنے آپ کو روکے رکھنا' تھامے رکھنا۔ اس حوالے سے میں اس وقت صبر کی ایک خاص نوعیت کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک صبر ہوتا ہے ایذاء پر' تکلیف پر' مصیبت میں' بھوک میں' فقر و فاقہ میں' جنگ میں' جبکہ ایک صبر ہے اپنے موقف پر ڈٹے رہنا' کھڑے رہنا اور اپنے فکر پر استقامت کا مظاہرہ کرنا۔ اس لیے کہ ایسے مواقع پر قدم ڈگمگانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ شعر میں نے اپنی تقاریر میں بہت مرتبہ پڑھا ہے' مجھے بہت پسند ہے ؎

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے!

غالب کے خیال میں یہ ''خیالِ یار'' کچھ اور ہوگا' میرے نزدیک یہ ہمارا دینی فکر ہے' اس کے بارے میں کہیں شکوک و شبہات نہ پیدا ہو جائیں' اس کے بارے میں تزلزل نہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ ہو گیا تو پھر تو یہ تحریک ختم سمجھو۔ اس کی ساری جڑ' بنیاد اس دینی فکر کے اوپر ہے' ساری عمارت اس پر قائم ہے۔ اس حوالے سے میں ہر شخص کو دعوت دوں گا کہ دروں بینی کرے' اپنا محاسبہ کرے' اپنا تنقیدی جائزہ لے' اپنے گریبان میں جھانکے کہ ہمارے فکر کے جو بنیادی امور ہیں ان کے بارے میں کہیں کوئی تزلزل' کوئی شک و شبہ' کسی طرح کا کوئی ضعف و اضمحلال تو پیدا نہیں ہو گیا۔ اپنے اس فکر کو تین حوالوں سے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

ہمارے دینی فکر کی تین اساسات

1) فریضہ اقامت دین اور اس کے لیے التزام جماعت کی شرط

اقامت دین کی جدوجہد فرض عین ہے' تاہم دین کو قائم کر دینا ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں بہت سے عوامل اور بہت سے فیکٹرز ہمارے کنٹرول میں نہیں ہیں' ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ اس میں اصل فیصلہ کن شے مشیت ایزدی ہے کہ اللہ کب چاہتا ہے کہ یہ کام ہو۔ لیکن اس کے لیے مسلسل جدوجہد کئے چلے جانا فرض عین ہے ؎

تا دمِ آخر دمِ فارغ مباش
اندریں رہ می تراش و می خراش!

اس کے ضمن میں اگر کبھی بھی آپ حضرات کو کوئی ضعف محسوس ہو تو فوراً اس کا تدارک کیجئے۔ اس لیے کہ چاروں طرف ہوائیں تو مختلف قسم کی ہیں۔ ایسے دانشور قسم کے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ سب خلل ہے دماغ کا! یہ دین کی کوئی بنیادی بات ہے ہی نہیں۔ کچھ لوگ جو ایسی تحریکوں سے وابستہ تھے' انہوں نے ان تحریکوں سے مایوس ہو کر ''انگور کھٹے ہیں'' والا تصور اختیار کر لیا ہے کہ یہ تصور ہی صحیح نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے جس ماحول میں ہم رہتے ہیں اور جس قسم کے خیالات ادھر اُدھر سے آتے ہیں وہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو کوئی رعایت دیئے بغیر بالکل غیر جانب دارانہ طور پر اپنا جائزہ لے کہ آیا میرا دل اس پر ٹھکا ہوا ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد فرض عین ہے اور اس کے لیے التزامِ جماعت شرط لازم ہے۔ بہرحال اس ضمن میں اگر کسی درجے میں بھی کوئی اضمحلال محسوس ہو' کوئی کمی محسوس ہو تو اس کے ازالے کے لیے' اور نہ بھی ہو تو اسے از سرِ نو prop up کرنے کے لیے' اس فکر کو مزید قوی کرنے کے لیے چند کتابوں کا حوالہ دے رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں اس دور میں آپ حضرات کو ان کا از سرِ نو مطالعہ کر لینا چاہئے' خواہ پہلے آپ نے کیا ہو: (1) نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت (2) فرائض دینی کا جامع تصور۔ (3) مطالبات دین (اس کتاب میں فرائض دینی کا جامع تصور وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔) (4) جہاد فی سبیل اللہ۔ (5) توحید عملی۔ (6) اسلامی نظم جماعت اور بیعت۔ میرے نزدیک ان چھ کتب کا مطالعہ مفید ہوگا' چاہے آپ یہ محسوس کریں کہ میرے تصور میں کوئی کمی نہیں ہے' میرے یقین اور ایقان کے اندر کوئی ضعف نہیں ہے' پھر بھی اگر از سرِ نو مطالعہ کریں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً یہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔

2) منہج انقلاب نبویؐ

یہ ہمارے فکر کی دوسری اساس ہے۔ بعض اعتبارات سے ہمیں مختلف مواقع پر اس میں ضعف کا احساس ہوا۔ مثلاً ایک وقت آیا تھا کہ الجزائر میں انتخابات کے ذریعے سے محسوس ہوتا تھا کہ اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ترکی میں اربکان صاحب کے ذریعے سے امکان پیدا ہوا کہ شاید اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ وہ دونوں معاملات تو بڑی جلدی ختم ہو گئے' لیکن خود افغانستان کے معاملہ پر یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ ہمارے بہت سے رفقاء یہ سوچنے لگے کہ ہم تو ''منہج انقلاب نبویؐ'' کی بات کرتے رہ گئے اور وہاں اللہ کا دین قائم ہو گیا اور اسلامی حکومت بن گئی۔ اس معاملے نے یقیناً ہمارے رفقاء کو کچھ دیر کے لیے ہلا دیا تھا۔

یہاں میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ مؤقف عقلی بنیادوں پر استوار ہونے کے علاوہ امام مالکؒ کے قول اور خود حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے قول پر مبنی ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے: ''لَنْ يَصْلُحَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهٗ'' کہ اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح ہرگز نہیں ہو سکے گی مگر اسی طور سے جیسے اس کے پہلے حصے کی ہوئی''۔ اور میں آج غور کر رہا تھا تو میرا ذہن ادھر منتقل ہوا کہ جو احادیث ہم نے بہت عام کی ہیں' ان میں حضرت نعمان بن بشیر ؓ کی وہ حدیث بھی ہے جس میں حضور ﷺ نے پانچ ادوار گنوائے ہیں' پہلا اپنا

دورِ سعادت‘ یعنی دورِ نبوت‘ پھر دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ‘ پھر مُلکًا عَاضًا‘ یعنی کٹ کھنی ملوکیت‘ پھر مُلکًا جَبْرِیًّا یعنی دورِ غلامی اور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔ تو اس حدیث کا متن چاہے اُس وقت تک زیادہ عام نہ ہوا ہو اس کا مفہوم عام تھا‘ ورنہ امام مالکؒ کے قول میں یہ جو اوّل و آخر کے الفاظ آئے ہیں یہ کہاں سے آ گئے؟ ’’آخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ‘‘ یعنی اس اُمت کا آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ہے‘ وہ تو اسی حدیث کی رو سے معلوم ہوا۔ اُمت کا پہلا دور بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ اس سے پہلا دور تو دورِ نبوت ہے۔ اُمت کا پہلا دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ہے۔

اور یہی بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ آپؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کرتے وقت جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ ہیں: ’’اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا یَصْلُحُ آخِرَهٗ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهٗ‘‘۔ یہاں ’’هٰذَا الْاَمْر‘‘ سے خلافت کے علاوہ کون سی چیز مراد لی جا سکتی ہے؟..... ’’اس معاملے کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر اسی طور سے جس طور سے پہلے حصے کی ہوتی ہے‘‘۔ یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دورِ ثانی بھی اسی طرز کی جدوجہد کے بعد آئے گا جیسی جدوجہد اس کے دورِ اوّل کے لیے کی گئی تھی۔

اس پر ظاہر ہے کہ ہمارا دلی اطمینان لازم ہے۔ اور افغانستان میں جو کچھ ہوا اس کے بعد ہمیں اپنے فکر پر ازسرِ نو جم جانا چاہئے۔ وہاں ممکن ہے گوریلا سرگرمیاں شروع ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں سے وہ امریکیوں کو بھگانے میں کامیاب ہو جائیں‘ لیکن اسلام وہاں پھر بھی نہیں آئے گا بغیر اُس منہاج کے کہ جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس کے لیے لوگوں کے ذہنوں کو تیار کرنا پڑے گا۔ عوام کے ذہن جو تبدیل نہیں ہوئے تھے اس کا نتیجہ دیکھ لیا کہ چشم زدن میں کابل کی فضا بدل گئی۔ وہ کابل جسے ہم شریعت کا پابند کابل دیکھ کر آئے تھے وہاں دیکھتے ہی دیکھتے ایک دم ویڈیو کی دکانیں کھل گئیں‘ ایک دم سینما شروع ہو گئے‘ ایک دم گندگیاں پھیل گئیں‘ ایک دم داڑھیاں مونڈ لی گئیں۔ اس لیے کہ ذہن نہیں بدلے تھے‘ لوگوں کے اندر انقلاب نہیں آیا تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ (الرعد: 11) اس آیت کا ترجمہ اس شعر کی صورت میں کیا گیا ہے ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

چنانچہ جب تک لوگوں کے اپنے نفوس کی کیفیت نہیں بدلتی قوم کے حالات نہیں بدلیں گے۔ اس حوالے سے ہمیں اب اور مؤکد ہو جانا چاہئے۔ ہمارا یقین‘ ہمارا وثوق‘ منہج انقلاب نبویؐ کے ساتھ ہمارا ذہنی رابطہ‘ رشتہ اور تعلق مضبوط تر ہونا چاہئے۔ اس کے لیے بھی مشورہ دوں گا کہ کتاب ’’منہج انقلاب نبوی‘‘ کا پھر مطالعہ کر لیجئے‘ ہمت کیجئے اور اسے پڑھ جائیے۔ اور اگر وہ زیادہ طویل معلوم ہو تو خطبات خلافت میں جو آخری (چوتھا) خطبہ ہے اسے پڑھ لیں‘ وہ مختصر ہے۔ میرا خیال ہے وہ 30، 40 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس خطبے میں ’’منہج انقلاب نبوی‘‘ کا خلاصہ موجود ہے۔ لیکن کوشش کیجئے کہ ’’منہج انقلاب نبویؐ‘‘ ہی کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔

3) نظامِ بیعت اور اس کے تقاضے

ہمارے دینی فکر کی تیسری بنیاد بیعت مسنونہ ہے۔ اس کے بارے مجھے آج ذرا قدرے تفصیل سے عرض کرنا ہے۔ ہم نے بیعت کی بنیاد پر تنظیم قائم کی ہے۔ ایک اعتبار سے تو ہم نے تنظیم میں بیعت کے تقاضوں کو پورا کیا ہے‘ لیکن ایک اعتبار سے ابھی تک ہم پر بیعت کے تقاضوں کا شعور پورے طور سے واضح نہیں ہے۔ قانونی اور دستوری سطح پر ہمارے ہاں بیعت کا نظام قائم ہے۔ آپ لوگ مجھ سے بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہوئے ہیں۔ یہ طے ہے کہ کوئی بھی معاملہ ہو اس میں آخری فیصلہ میرا ہو گا۔ شوریٰ کی حیثیت مشورہ دینے والوں کی ہے‘ لیکن ایسا نہیں ہے کہ ووٹوں کی گنتی کے ذریعے سے کوئی فیصلے ہوں گے‘ اگرچہ اس کی نوبت شاذ ہی کبھی آئی ہے کہ میں نے شوریٰ کے اکثریتی رائے کے خلاف کوئی فیصلہ دیا ہو۔ غالباً ایک موقع پر آئی ہے‘ اس میں بھی ایک دو ووٹ کا فرق تھا۔ اصولاً یہ طے ہے کہ شوریٰ میں ووٹوں کی گنتی کی بنیاد پر فیصلے نہیں ہوں گے‘ شوریٰ اپنی رائے دے گی مگر فیصلہ امیر کے ہاتھ میں ہو گا۔ یہ نظم تو ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے بنا لیا‘ قائم کر لیا‘ چلا بھی لیا‘ اس کا ایک نمونہ بھی دنیا کے سامنے پیش کر دیا‘ لیکن دو پہلوؤں سے ابھی ہمارے ہاں بڑی کمی ہے۔ اولاً سمع و طاعت کی روح ابھی ہمارے ذہنوں میں راسخ نہیں ہوئی ہے۔ اور ثانیاً عہدے داروں کے عزل و نصب کے سلسلے میں اس نظام بیعت کا جو تقاضا ہے وہ بھی ہم پر پوری طرح واضح نہیں ہے۔ میں ان دونوں باتوں کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سمع و طاعت کی روح کا جہاں تک میرے ساتھ تعلق ہے‘ میں مطمئن ہوں کہ مجھ سے رفقاء کا سمع و طاعت کا تعلق قائم ہے‘ برقرار ہے۔ وہ میرا حکم سنتے ہیں اور مانتے ہیں‘ عمل میں کوتاہی ہو جانا دوسری بات ہے۔ لیکن اصل میں سمع و طاعت تو ایک chain ہے۔ کسی بھی تنظیم یا تحریک کے اندر سمع و طاعت صرف ایک ہی شخص کی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو مرحلہ وار ہوتی ہے۔ ایک امیر تنظیم ہے‘ اس کے نیچے صوبائی امراء ہیں‘ ان کے نیچے حلقہ جاتی امراء ہیں‘ پھر ان کے نیچے مقامی امراء ہیں۔ اس طرح یہ ایک پورا سلسلہ ہے‘ اور جب تک اس پوری chain کے اندر‘ جس کو لائن آف کمانڈ کہا جاتا ہے‘ یہ روح سرایت کئے ہوئے نہ ہو‘ سمع و طاعت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اگر آپ کو کسی سطح پر اختلاف ہے تو اپنے سے اوپر پہنچا دیجئے۔ مقامی امیر سے اختلاف ہے تو یہ اختلاف حلقے کے امیر کو پہنچا دیجئے‘ حلقہ کے امیر سے اختلاف ہے تو امیر تنظیم کو پہنچا دیجئے۔ لیکن سمع و طاعت ضروری ہے۔

حدیث شریف کے یہ الفاظ اچھی طرح نوٹ کر لیجئے:
((اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ))
ہم نے ان الفاظ کو زیادہ Highlight نہیں کیا ہے۔ یہ اُسی روایت کے اندر ہیں جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ہے اور جسے ہم نے اپنی بیعت کی بنیاد بنایا ہے:
بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ‘ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ‘ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا‘ وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ‘ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ متفق علیہ الفاظ تو یہی ہیں‘ بخاری اور مسلم دونوں کے۔ البتہ مسلم شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:
((اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ))
ذرا نوٹ کر لیجئے کہ اس جملے کا ترجمہ کیا ہے: ’’اس سمع و طاعت سے دست کش ہو سکتے ہو صرف اس شکل میں کہ تم کسی کھلے کھلے کفر کو دیکھو جس کے لیے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل موجود ہو‘‘۔ آپ ثابت کر سکیں کہ یہ کفر ہے تب آپ کہہ سکتے ہیں: ’’لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ‘‘

کہ نہ ہم سنیں گے نہ اطاعت کریں گے!

اب نوٹ کیجیے کہ حدیث بالا میں مذکور سمع و طاعت رسول اللہ ﷺ سے مراد تو ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا حضور ﷺ کی طرف سے بھی کبھی کفر بواح کا امکان ہے؟ معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ۔ ظاہر بات ہے کہ نہیں ہے۔ اسلام کا تو معیار آپؐ ہیں۔ آپؐ ہی کا فرمودہ درحقیقت اسلام کا قانون ہے۔ تو یہ درحقیقت ماتحت امارتوں کے بارے میں ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کے اندر یہ شق بھی ہے: ”وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا“ چاہے آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں۔ یعنی آپؐ ہم پر کسی کو امیر بنا دیں تو ہم آپؐ پر اعتراض نہیں کریں گے بلکہ شکوہ و شکایت بھی نہیں کریں گے کہ حضورؐ! ہم آپ کے پرانے جاں نثار رفقاء ہیں‘ پرانے ساتھی ہیں‘ آپؐ نے ایک نووارد کو یا ایک نوعمر کو ہمارے اوپر امیر کیسے بنا دیا؟ نہیں۔ یہ آپؐ کا مطلق اختیار ہوگا‘ آپؐ جسے چاہیں امیر بنائیں۔ اب اس کے بعد یہ الفاظ آتے ہیں:

وَعَلٰی اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَہْلَہٗ اِلَّآ اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ فِیْہِ مِنَ اللّٰہِ بُرْہَانٌ

ظاہر بات ہے کہ تمہیں ان امراء سے جھگڑنے کی اجازت نہیں ہے‘ ان سے بھی تمہارا سمع وطاعت کا وہی انداز رہے گا‘ الا یہ کہ تم کسی کھلے کھلے کفر کو دیکھو‘ جس کے لیے تمہارے پاس دلیل ہو کہ یہ کفر ہے۔ یہ نہیں کہ میرا دل کہتا ہے کہ یہ کفر ہے۔ آپ کا دل کوئی شے نہیں ہے:

اِیْتُوْنِیْ بِشَیْءٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلَ

کسی شے کے کفر ہونے کا فیصلہ اللہ کی کتاب سے ہوگا یا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے ہوگا‘ آپؐ کے فرمودات سے ہوگا۔ تو یہاں اصل میں جو بات میں آپ پر واضح کرنا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ نچلی سطح پر ہمارے ہاں امراء کا وہ وقار‘ ان کا لحاظ اور ادب‘ ان کے ساتھ نصح و خیر خواہی‘ ان کے ساتھ سمع و طاعت کا تعلق بہت زیادہ کمزور ہے۔ حالانکہ میں اس سے پہلے بہت سے مواقع پر یہ حدیث آپ کو سنا چکا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ‘ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ‘ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ‘ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ))

”جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی‘ اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی‘ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی“۔

اس حدیث کو ہمیں ہمیشہ اپنے ذہنوں میں اور اپنے شعور میں تازہ رکھنا چاہیے۔ جب تک کہ ہمارا سمع و طاعت کا نظام اُسی طرح پوری لائن آف کمانڈ کے اندر جاری وساری نہ ہو‘ سمع وطاعت کے تقاضے پورے نہ ہوں گے۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ہوا تھا۔ میرا تجزیہ ہے کہ پینتیس تیرانداز جو اپنی جگہ چھوڑ گئے تھے‘ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قول کی تاویل کر لی تھی۔ میں یہ بات ماننے کو قطعاً تیار نہیں ہوں اور لوگوں کی اس بات کے ساتھ میرا قطعاً اتفاق نہیں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی۔ انہوں نے درحقیقت حضور ﷺ کے قول کی تاویل کی‘ کہ حضور نے جو ہمیں کہا تھا کہ یہاں سے نہ ہلنا چاہے تم دیکھو کہ ہم سب قتل ہو گئے ہیں اور پرندے ہمارا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں‘ تو یہ شکست کی کیفیت میں کہا تھا‘ اب تو فتح ہو گئی ہے‘ لہٰذا جو آپ ﷺ کا فرمان ہے وہ اس صورت حال میں لاگو نہیں ہو رہا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ نے ان پچاس تیراندازوں کے اوپر جنہیں امیر بنایا تھا‘ وہ تو آخری وقت تک انہیں روکتے رہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی گئی۔ اور اس پر وہ سزا ملی ہے کہ پھر فتح شکست میں تبدیل ہوئی اور ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ خود حضور ﷺ اتنے شدید مجروح ہوئے اور آپؐ کا اتنا خون بہہ گیا کہ آپؐ بے ہوش ہو گئے اور خبر آ گئی کہ آپؐ شہید ہو چکے ہیں۔ تو یہ ”اَمیری“ (میرے مقرر کردہ امیر) کا معاملہ ہے۔

اس لائن آف کمانڈ کے اندر سمع وطاعت کی روح کو سرایت کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ صرف مجھ ہی سے بیعت سمع وطاعت ہے‘ بلکہ یہ سمع وطاعت ہمارے ہاں درجہ بدرجہ پھیلنی چاہیے‘ ہر امیر تک پہنچنی چاہیے۔ جیسے ایک درخت اور اس کی شاخیں ہوتی ہیں۔ جڑ سے جو غذا آ رہی ہے وہ تمام شاخوں میں جا رہی ہے‘ تمام ٹہنیوں سے ہوتی ہوئی پتوں تک جا پہنچتی ہے۔ اسی طرح یہ روحِ سمع وطاعت ہر سطح تک پہنچنی چاہیے۔ اور صرف سمع و طاعت نہیں‘ نصح و خیر خواہی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) قِیْلَ لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ((لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ)) نچلی سطح کے ذمہ دار حضرات ”اَئِمَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ“ نہیں ہیں تو کون ہیں؟ چاہے وہ پانچ چھ آدمیوں پر ایک نقیب ہے اور چاہے 25‘30‘40 کے اوپر ایک امیر ہے اور چاہے 100‘200‘400 آدمیوں پر ایک امیر حلقہ ہے۔ ظاہر بات ہے ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر ایک امام ہے۔ ان کے ساتھ نصح و خیر خواہی ہو‘ ان کے لیے بدخواہی نہ ہو۔ اسی طرح ان کے لیے تنہائیوں میں دعائیں مانگی جائیں۔ ان کی طرف سے اگر کبھی یہ بھی خیال ہو کہ انہوں نے مجھ پر زیادتی کی ہے تو اس پر معاف کرنا‘ صبر کرنا‘ جھیلنا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ دے گا۔ اور اگر اس نے واقعتاً زیادتی کی ہے تو وہ اپنی بہت سی نیکیاں قیامت کے دن آپ کے پلڑے میں ڈالے گا۔ آپ کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ آپ نظم جماعت کی خاطر جھیل جائیے‘ برداشت کر جائیے۔ جس اعلیٰ نصب العین اور جس مقصد کے لیے ہم نے یہ سارا کھکھیڑ مول لیا ہے‘ یہ جماعت بنائی ہے‘ جس کے لیے یہ سارا نظم ہم نے اختیار کیا ہے‘ اس کے لیے ان کی زیادتیوں کو بھی برداشت کیا جائے۔ اگر وہ زیادتی کر رہے ہیں تو اللہ کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔

دوسرا معاملہ مناصب کے نصب وعزل کا ہے۔ یہ جو تنظیمی عہدے ہیں‘ امیر ہیں‘ نقیب ہیں‘ امیر حلقہ ہیں‘ مرکزی ناظمین ہیں‘ ان مناصب کا نصب اور عزل کلیتاً مبایع کا صوابدیدی اختیار ہے۔ (باب مفاعلہ میں مبایع: بیعت کرنے والا اور مبایَع مفعول بنے گا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی) یہ اس کا اختیار مطلق ہے‘ اس کو اس کے لیے کہیں دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے‘ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے‘ وہ کسی کو مطمئن کرنے کا پابند نہیں ہے۔ یہ اس کا اختیار ہے جس کو چاہے منصب پر فائز کرے۔ یہ سمع و طاعت کا ایک اہم تقاضا ہے اور ہم نے ”وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا“ کے الفاظ میں اس کا عہد کر رکھا ہے۔

آپ کو معلوم ہے جب غزوۂ موتہ کے لیے لشکر تیار ہوا تھا اور حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اس کا امیر نامزد کیا تھا تو اعتراضات ہوئے تھے۔ اس لشکر میں جلیل القدر صحابہ اور اونچے خاندانوں کے لوگ شامل تھے۔ خود حضور ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

اس میں شامل تھے‘ جو قریش کے اونچے گھرانے کے فرد تھے‘ ابوطالب کے بیٹے تھے۔ لیکن حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو امیر بنایا جو غلامی کا داغ بھی کھائے ہوئے تھے۔ وہ تو مولیٰ (آزادشدہ غلام) تھے۔ اور اُس عرب معاشرے کے اندر مولیٰ کبھی بھی حر (آزاد انسان) کے مساوی نہیں ہوتا تھا۔ آپؐ نے اپنے مرض وفات میں ان کے نوجوان بیٹے اسامہ کو امیر لشکر مقرر کیا اور جلیل القدر صحابہؓ کو ان کی کمان میں رکھا۔ اس پر بھی اعتراض ہوا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا جو آخری دور ہے اس میں نظر آتا ہے کہ آپؐ کوئی معاملات میں اپنے ساتھیوں کے طرزِ عمل سے تکلیف پہنچی۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ چنانچہ آپؐ نے غصے کے ساتھ فرمایا تھا کہ تم نے اس کے باپ کی تقرری پر بھی اعتراض کیا تھا‘ آج تم اس پر بھی اعتراض کر رہے ہو۔

نصب کی طرح عزل یعنی کسی کو اس کے منصب سے معزول کر دینا‘ یہ بھی اس امیر کا اختیار مطلق ہے جس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے۔ وہ پابند نہیں ہے کہ اس کے لیے وجہ بیان کرے اور کسی جیوری‘ کسی کورٹ یا کسی ادارے کو مطمئن کرے۔ بیعت کے نظام میں یہ امیر کا اختیار مطلق ہے‘ اختصاص کے ساتھ اس کا حق (prerogative) ہے کہ جس کو چاہے وہ کسی منصب پر مقرر کرے اور جب چاہے اس سے معزول کر دے۔

مزید برآں کسی کے دل میں کسی عہدے کی طلب نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ میں اس کے لیے زیادہ اہل ہوں تو اس پر گرفت نہیں‘ اس لیے کہ یہ خیالات اور وساوس کے درجے کی چیز ہے‘ جس پر انسان کو کنٹرول نہیں ہے۔ لیکن عہدے اور منصب کا طالب ہونا‘ یہ بات بالکل اس نظام کے خلاف ہے‘ قطعاً اس کی نفی کرنے والی ہے۔ اور اس میں جو بات عام طور پر لوگ نہیں سمجھتے اس پر میں آج چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں۔ ہمارے سامنے معیار یہی رہتا ہے کہ فلاں شخص بہت متقی ہے‘ متدین ہے‘ عبادت گزار ہے‘ زیادہ محنتی ہے‘ زیادہ بھاگ دوڑ کرتا ہے‘ زیادہ active ہے۔ لیکن تنظیموں اور جماعتوں یا حکومت میں عہدوں کے معاملے میں تدین‘ تقویٰ‘ دینداری‘ زہد اور بے نفسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ اس میں اصابت رائے‘ معاملہ فہمی‘ موقع شناسی اور انسان شناسی یعنی انسان کو پرکھنے اور evaluate کرنے کی صلاحیتیں بھی موجود ہیں یا نہیں! اگر یہ صلاحیتیں نہیں ہیں تو مجرد وہ چیزیں تحریک اور حکومت دونوں میں کسی کو منصب کے لیے قابل اور اہل قرار نہیں دے سکتیں۔

اس ضمن میں سب سے بڑی مثال آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں جس کے بعد آپ کو میری اس بات پر ایک لمحے کا بھی شک نہیں رہ جائے گا۔ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ زہد‘ فقر‘ تدین اور تقویٰ میں اس قدر بلند مقام پر تھے کہ خود حضور ﷺ نے سند دی ہے: ((مَنْ کَانَ یَسُرُّہٗ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی زُھْدِ عِیْسٰی فَلْیَنْظُرْ اِلٰی صَاحِبِیْ اَبِیْ ذَرٍّ)) ”جس کسی کو یہ پسند ہو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد اپنی آنکھوں سے دیکھے وہ میرے ساتھی ابوذرؓ کو دیکھ لے“۔ ایک حدیث نظر سے گزری‘ جس میں حضور ﷺ نے صحابہؓ میں سے اپنے محبوبین کی ایک فہرست دی ہے‘ جس میں حضرت مقداد بن اسودؓ‘ حضرت ابوذرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے نام ہیں۔ یہ سب کے سب فقراء صحابہؓ میں سے ہیں۔ لیکن یہی ابوذرؓ ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ حضور! مجھے بھی کہیں کا عامل بنا دیجئے‘ تو فرمایا: ”نہیں ابوذر! تم ضعیف ہو اور یہ امانت ہے“۔ غور کیجئے‘ ضعیف کس اعتبار سے تھے؟ کیا وہ خیانت کر سکتے تھے؟ کیا ان کی للّٰہیت میں کوئی کمی تھی؟ لیکن اصابت رائے اور توازنِ فکر کے اعتبار سے آپؓ کمزور تھے۔ اور بعد میں ثابت ہو گیا کہ آپؓ میں واقعی وہ توازن نہیں تھا۔ ان میں زُہد کی وہ انتہا تھی کہ وہ اس رائے تک پہنچ گئے کہ سونا چاندی مجرد اپنے پاس رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور اس پر انہوں نے سورۃ التوبۃ کی ”آیت کنز“ کا انطباق کر دیا کہ وہ سونا اور چاندی تپا تپا کر ان کے ماتھوں پر‘ ان کی پیٹھوں پر اور ان کے چہروں پر داغ کر لگائے جائیں گے۔ زُہد کے غلبے کی بنا پر آپؓ اس درجے عدم توازن کا شکار ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبوراً پھر انہیں مدینہ سے نکل جانے کی سزا دی۔ اس لیے کہ اس طرح ایک بہت بڑا فتنہ اٹھ رہا تھا۔

حضور ﷺ نے جو توازن دیا تھا اسے میں نے الحمدللہ ”اسلام کا معاشی نظام“ میں واضح کیا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام دو ہیں۔ ایک روحانیت کی سطح پر ہے اور ایک قانون کی سطح پر۔ قانونی سطح پر آپ جائز سے کمائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی اپنے پاس رکھیں تو آپ پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ وہ پھر آپ کی وراثت میں منتقل ہو جائے گا۔ جبکہ روحانیت یہ ہے کہ زائد از ضرورت اپنے پاس کچھ نہ رکھو۔ ﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط﴾ توکل کرو کہ آج اللہ نے میری ضرورت پوری کر دی ہے تو کل بھی کر دے گا۔ لیکن یہ روحانیت رضا کارانہ اور اختیاری ہے‘ جبری نہیں۔ کمیونزم نے جبری طور پر جو کچھ کیا‘ اس کا حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ مغلوب الحال تھے۔ جب آپؓ کا انتقال ہوا تو اُس وقت بھی آپ رو رہے تھے کہ میرے خلیل اور میرے حبیب ﷺ نے یہ خبر دی تھی کہ تم لوگ اپنے گرد سانپ اور بچھو (یعنی دُنیوی ساز و سامان) اکٹھے کر لو گے‘ آج میرا بھی حال یہی ہے کہ سانپ اور بچھو میرے گرد جمع ہیں۔ آپؓ کی وفا شعار بیوی اس جلاوطنی میں بھی آپؓ کے ہمراہ تھیں جبکہ صحرا کے اندر کہیں ایک کٹیا ڈال کر پڑے ہوئے تھے‘ ایک بکری تھی جس کا دودھ پی لیتے تھے۔ ان حالات میں بھی بیوی نے آخری وقت تک ساتھ دیا۔ تو اُس وفا کے پیکر نے کہا کہ آپ کو کون سے سانپ اور بچھو نظر آ رہے ہیں؟ آپؓ نے کٹیا میں موجود معمولی چیزوں مثلاً توا اور چمٹا وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہیں وہ سانپ اور بچھو۔

اب ظاہر ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کس شخص میں یہ منصب سنبھالنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ اور نظام بیعت کا تقاضا یہ ہے کہ عزل اور نصب دونوں کا پورا معاملہ کلیتاً اس کے اختیار میں ہو۔ اس کے لیے وہ پابند نہیں ہے کہ کہیں اپنی بات کو ثابت کر سکے‘ کہیں لوگوں کو قائل کر سکے۔ یہ اس کا اختیار ہے‘ اس کی سوچ ہے‘ اس کا جائزہ ہے‘ اس کی ججمنٹ ہے‘ جس کے مطابق اس نے عمل کرنا ہے۔ اسی طرح عزل کا معاملہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ کسی شخص کو کسی منصب پر فائز کیا گیا اور اسے مقامی امیر یا حلقے کا امیر بنایا گیا تھا۔ اب امیر تنظیم کا یہ احساس ہے‘ جس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے‘ کہ اب ان صاحب کا اس منصب پر رہنا ہماری تنظیم اور تحریک کی مصلحت کے خلاف ہے‘ لہٰذا وہ انہیں معزول کرتا ہے۔ لیکن اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ ناراض ہو جائیں گے‘ کوئی منفی طرزِ عمل ظاہر ہو جائے گا‘ اور کچھ نہیں تو مضمحل ہو جائیں گے‘ بے عمل اور غیر فعال ہو جائیں گے‘ کسل کا شکار ہو جائیں گے۔ اس سے بھی آگے ہو سکتا ہے کہ احتجاج کی ایک فضا پیدا کریں اور لوگوں میں اپنی

مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ یہ سارا کچھ امکان ہے۔ جب تک ہم اس سے اپنے دلوں کو خالی نہیں کر لیتے‘ سمجھ لیں کہ ہمیں نظمِ بیعت کا صحیح شعور حاصل نہیں ہوا۔ میں خود تسلیم کرتا ہوں کہ بسا اوقات کسی کو کہیں سے ہٹانے کا خیال ہوتا ہے تو سوچتا ہوں کہ اس پر اس کا کیا ردِعمل ہو گا اور بعض مرتبہ ہم نے دیکھا ہے کہ پھر اس کا ایک منفی ردِعمل سامنے آتا رہا ہے۔

اس ضمن میں بھی الحمد للہ ہمارے قرن اوّل میں حضرت خالد بن ولید ؓ نے نہایت تابناک مثال قائم کی ہے‘ جنہیں حضرت عمر ؓ نے معزول کر دیا تو انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ مجھے کیوں معزول کیا گیا ہے۔ نہ انہوں نے اس پر کوئی احتجاج کیا۔ فوج کا معاملہ بڑا حساس ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں بھی یہ اصول ہے کہ اگر کسی نیچے کے آدمی کو آؤٹ آف ٹرن اوپر ترقی دے دی جائے تو درمیان میں جن لوگوں کو وہ پھلانگ کر آیا ہے وہ سب مستعفی ہو جائیں گے یا ریٹائر کر دیئے جائیں گے۔ اس لیے کہ جوان کا ماتحت رہا ہے‘ وہ اُس کے ماتحت ہو کر کیسے کام کر سکتے ہیں! لیکن مثال وہ ہے کہ جو صحابہ کرام ؓ نے قائم کی۔ حضرت خالد بن ولید ؓ سپہ سالاری سے معزول ہو کر بھی اسی محاذ پر رہے اور اسی سرفروشی اور اسی جاں فشانی کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہے اور اپنے جذبے میں قطعاً کوئی کمی کسی درجے میں نہیں آنے دی۔ اور یہ کہ لوگوں کے اندر بھی کوئی چہ میگوئی نہیں ہوئی کہ انہیں کیوں معزول کر دیا گیا‘ یہ تو بہت ہی مقبول تھے‘ ان کی وجہ سے تو ہمیں فلاں فلاں جنگوں میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ کچھ نہیں۔ بلکہ صحابہ ؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ فیصلہ اُس نے کیا ہے جسے اختیار ہے اور اس پر ہمارا اعتماد ہے‘ اس سے ہم نے بیعت کی ہے‘ اسے ہم نے خلیفہ مانا ہے‘ اس کا اختیار مطلق ہے۔ چنانچہ تبدیلی کا اتنا بڑا معاملہ ہوا ہے لیکن تاریخ نے اس پر کسی ردِعمل کی نشاندہی نہیں کی۔

ایسے معاملات میں ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر کسی ذمہ دار شخص کو ذمہ داری سے فارغ کیا جائے تو وہ سکون کا سانس لے کہ مجھ پر ایک بوجھ تھا‘ ذمہ داری تھی‘ میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں مسئول تھا‘ اب اگر مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا ہے تو اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس بوجھ سے نجات مل گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی غصہ ہو‘ کوئی منفی طرزِ عمل ہو‘ یا خدانخواستہ کوئی تخریبی انداز اختیار کر لیا جائے۔ چنانچہ حال ہی میں میں نے ایک امیر حلقہ کو معزول کرتے ہوئے انہیں معزولی کا جو خط ارسال کیا‘ اس میں لکھا تھا کہ آپ کے لیے بہت بڑا امتحان ہے کہ آیا آپ حضرت خالد بن ولید ؓ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے‘ وہیں رہتے ہوئے اور پہلے سے بھی زیادہ سرفروشی اور جاں فشانی کے ساتھ کام کرتے ہیں یا نہیں! لیکن اس میں عام رفقاء کا بھی امتحان ہے کہ ایسے معاملات کا خواہ مخواہ چرچا نہ کریں کہ وجوہات کیا ہوئیں؟ بھئی آپ کو وجوہات معلوم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جس کا اختیار تھا‘ اس نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔ اللہ اللہ خیر سلاّ۔ امیر اس بات کا پابند نہیں ہے کہ آپ کو وجوہات کے معاملے میں قائل کرے اور پہلے آپ سے منوائے۔ صحیح ہوا یا غلط‘ آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔ جس کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی ہے‘ یہ اس کا فیصلہ ہے۔ تنظیم اسلامی اور اس تحریک کی مصلحت ہم سب کو بہت عزیز ہے۔ تو کیا اُسے عزیز نہیں ہے جس نے یہ سارا معاملہ شروع کیا‘ جس نے لوگوں کو جمع کیا اور جس نے اپنی پوری زندگی اس کام میں لگا دی۔ اس میں شک نہیں کہ میرے بہت سے ساتھیوں نے بھی اپنی پوری زندگی اس کام میں لگا دی ہے‘ لیکن پھر بھی ایک فرق تو رہے گا کہ داعی کی حیثیت میری ہے‘ باقی حضرات میں سے کچھ بہت پہلے آ گئے تھے‘ کچھ ذرا بعد میں آئے اور کچھ مزید بعد میں آئے ہیں۔ چنانچہ عراہ رَو ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا! بہت سینئر لوگ بھی ہیں‘ نو وارد بھی ہیں۔ بہرحال ایسے معاملات میں معزول ہونے والے حضرات کا امتحان بھی ہوتا ہے‘ وہاں کے رفقاء کا بھی اور باقی سب رفقاءِ تنظیم کا بھی کہ خواہ مخواہ اس کھود کرید کے اندر نہ پڑیں کہ یہ کیوں ہوا‘ کس لیے ہوا؟ آپ کو اس سے کچھ سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ متذکرہ بالا حلقہ میں امارت کی تبدیلی بڑے احسن انداز سے عمل میں آئی ہے۔ معزول ہونے والے امیر حلقہ نے نئے امیر حلقہ کو خوش آمدید کہا ہے اور ان کی دلجوئی کے لیے یہ الفاظ بھی استعمال کئے ہیں کہ ایک زمانے میں آپ یہاں ہمارے ناظم کی حیثیت سے آئے تھے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ آج آپ امیر حلقہ کا چارج سنبھال رہے ہیں‘ اور میں سمجھتا ہوں کہ اب ہم بوڑھوں کو تو بہرحال ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہئے اور آپ نوجوانوں کو یہ ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں‘ اور یہ کہ میں یہاں ہر طرح کے تعاون کے لیے حاضر ہوں۔

الحمد للہ کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی پر انہیں قائم رہنے دے! بہرحال یہ سپرٹ تنظیم کے اندر ہر سطح پر پیدا ہونی چاہئے کہ نصب و عزل دونوں کا اختیار مطلقاً امیر تنظیم کے پاس ہے‘ چاہے امراء حلقہ ہوں یا مقامی امیر ہوں۔ ہاں مقامی امیر کے ضمن میں ہم رفقاء سے رائے لے لیتے ہیں‘ اگرچہ رائے یعنی ووٹنگ کی بنیاد پر فیصلہ نہیں ہوتا‘ البتہ ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس شخص کو ہم امیر بنانا چاہتے ہیں اس پر وہاں کے رفقاء بھی کتنا کچھ اعتماد کرتے ہیں۔ اسی طرح امیر حلقہ کی تقرری کے لیے بھی مشورہ کیا جاتا ہے۔ پہلے جو ناظمین حلقہ ہوا کرتے تھے ان کے معاملے میں تو کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس حوالے سے ایک خاص بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں حلقہ جاتی نظام کے اندر تدریجاً ایک ترقی ہوئی ہے‘ اور اس ترقی کے جو نتائج و ثمرات نکلنے چاہئیں اس کا ہمیں شعور ہونا چاہئے۔ ابتدا میں آپ کو یاد ہو گا کہ ناظمین حلقہ جات ہوتے تھے اور یہ سب بیت المال سے تنخواہ لیتے تھے‘ ہمہ وقت کارکن تھے۔ اُس وقت ان کے نام کے ساتھ امیر کا لفظ نہیں لگتا تھا۔ اس اعتبار سے بھی معاملہ ایک درجہ کم رہتا تھا۔ ثانیاً‘ ان کی حیثیت درحقیقت مرکز کے نمائندوں کی ہوتی تھی۔ لیکن ہماری تنظیم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ ایسے حضرات حلقوں کے اندر آ گئے جو اپنی معاش میں خود کفیل ہیں‘ اپنے کاروبار بھی کر رہے ہیں اور تنظیمی ذمہ داریاں بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ ایسے حضرات کا تقرر بطور امیر کیا جاتا ہے۔ ان کے لیے تنظیم کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں کچھ سہولتیں بہم پہنچا دی جائیں‘ مثلاً کوئی سواری کا معاملہ ہو یا کہیں مکان کے کرائے کا معاملہ ہو‘ لیکن کسی سطح پر کوئی امیر تنظیم کی طرف سے تنخواہ یافتہ نہیں ہوتا۔ اب ہمارے ہاں حلقوں کی اکثریت جو ہے وہاں امراء موجود ہیں۔ یہ امراء اب لائن آف کمانڈ میں ہیں اور ان کا معاملہ وہی ہونا چاہئے جو میں اس سے پہلے آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ لائن آف کمانڈ میں سب سے اوپر امیر تنظیم ہے‘ پھر امیر حلقہ‘ پھر امیر مقامی جماعت۔ اور اس ضمن میں‘ جیسے میں نے آپ کو بتایا‘ مقامی امراء کے لیے بھی سمع و طاعت اور نصح و خیر خواہی کی وہی روح رہنی چاہئے اور حلقہ جات کے امراء کے لیے بھی۔ اگر آپ کے خیال میں ان کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہے تو آپ ان کو معاف کر

دیں اور ان کی طرف سے اپنے دل پر میل نہ آنے دیں‘ جس کو غل کہا گیا ہے۔ ایک قرآنی دعا کے الفاظ ہیں:

﴿وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

’’اے اللہ! کسی بھی صاحبِ ایمان کے لیے ہمارے دل میں کدورت نہ پیدا ہونے دے‘‘۔ تو یہ جذبہ خاص طور پر امراء کے لیے ہونا چاہئے۔ اس لیے کہ امیر کبھی ڈانٹ بھی دے گا‘ باز پُرس بھی کرے گا۔ کبھی ہو سکتا ہے کہ اس کا مزاج اُس وقت ٹھنڈا ہے تو وہ بڑے ٹھنڈے انداز میں جواب طلبی کرے گا‘ لیکن کسی وقت اس کا مزاج کسی وجہ سے گرم ہو تو وہ اسی گرم انداز میں جواب طلبی کرے گا۔ یہ سارے ہی امکانات ہوتے ہیں۔ تو مطلوب رویہ اس پر صبر کرنا‘ اس کو جھیلنا‘ اس کو برداشت کرنا اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کے ہاں جزائے اُخروی کا امیدوار بننا ہے‘ جس کے لیے حدیث میں ’’اِحْتِسَابًا‘‘ کا لفظ آیا ہے ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اجر و ثواب ملے گا۔

یہ چند باتیں میں آج آپ کے سامنے رکھنا چاہتا تھا کہ ہمیں اپنے فکر کی ان تین اساسات کو از سرِ نو دیکھ لینا چاہئے‘ اپنے دلوں کو ٹٹول لینا چاہئے‘ اپنے ذہنوں کو scan کرنا چاہئے‘ اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہئے‘ اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ کہیں اس کے خلاف تو نہیں ہو رہا ہے۔ اس اعتبار سے اس کی بڑی اہمیت ہے کہ ہمیں اپنے قافلے کو اب از سرِ نو ایک ہمت کے ساتھ‘ ایک عزیمت کے ساتھ‘ ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ آگے بڑھانا ہے‘ کہ رہ ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

اقول قولی هذا و استغفر الله لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات

❀❀❀

قولِ زریں

’’مجھے ان الفاظ پر کئی دفعہ ندامت ہوئی، جو میرے منہ سے ادا ہوئے لیکن مجھے اپنی خاموشی پر کبھی ندامت نہیں ہوئی۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنے مقدس کلام، قرآن مجید فرقان حمید، میں کئی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں ایک نمایاں صفت ’’رحماء بینھم‘‘ ہے۔ لیکن اس صفت سے متصل پہلے جو صفت بیان ہوئی ہے وہ اس کی بالکل ضد یعنی Opposite ہے اور وہ ہے ’’اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ‘‘۔ دراصل یہ متضاد صفات ہی صحابہ کرامؓ کا طرہ امتیاز ہے۔ دنیا نے بہت نرم دل لوگ بھی دیکھے ہیں۔ وہ اتنے نرم ہیں کہ سانس بھی آہستہ لیتے ہیں۔ بدھ مت کے پیروکاروں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سانس لیتے ہوئے بھی احتیاط کرتے ہیں کہ کہیں کوئی جرثومہ ان کے سانس کی زد میں نہ آجائے۔ محرف شدہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنے حواریوں کے لیے ایک نصیحت کا ذکر ملتا ہے کہ ’’اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے سامنے پیش کر دو‘‘۔ نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کی تکمیل فرما دی اور آپؐ کو تمام نوع انسانی کے لیے اسوۃ حسنۃ قرار دے دیا۔ آپؐ کی شخصیت میں بھی انتہائی حسین توازن رکھا۔ ایک طرف آپؐ کو رحمۃ للعالمین بنایا تو دوسری طرف آپ نبی الملاحم بھی ہیں۔ اسی طرح آپؐ کے ساتھی بھی آپس میں نہایت نرم ہیں اور کفار کے مقابلے میں انتہائی سخت ہیں۔ ان سطور میں صحابہ کرامؓ کی متوازن شخصیات کا جائزہ ’’رحماء بینھم‘‘ کے حوالے سے پیش کیا جائے گا جس میں جابجا ’’اشداء علی الکفار‘‘ کا حوالہ بھی لازماً آئے گا۔

مغالطوں سے بچنے کے لیے تضادات کا فہم ضروری ہے:

آگے بڑھنے سے پہلے ظاہری تضادات کا فہم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ مغالطوں سے بچا جائے سکے۔ اس کو بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ میں بڑی خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’سیرت طیبہؐ اور سیرت صحابہ کرامؓ کے مطالعے سے اس طرح کے تضادات نظر آتے ہیں جیسے مکہ مکرمہ میں بارہ برس تک حکم یہ تھا کہ مقابلے میں ہاتھ مت اٹھاؤ، چاہے تمہارے ٹکڑے کر دیے جائیں، تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر تمہارے کباب بنانے کا سامان کیا جائے، تمہیں طرح طرح سے اذیتیں دی جائیں، تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہاری دینی بہن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، کو انتہائی بہیمانہ طور پر شہید کر دیا جائے اور ان کے شوہر نامدار حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کے جسم کے وحشیانہ طریقے سے چیتھڑے اڑا دیے جائیں۔ یہ سب کچھ جھیلو، برداشت کرو، تمہیں جوابی کارروائی تو کجا اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ کا حال یہ ہے کہ: ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ﴾ ’’وہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہیں، قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔‘‘ بظاہر ان دونوں کیفیات میں بڑا نمایاں تضاد ہے مگر یہ سارے تضادات صرف اسی طور سے حل ہو سکتے ہیں کہ انقلاب کے فلسفہ کو سامنے رکھ کر اس کے مختلف مراحل و مدارج اور مرحلہ کے مختلف تقاضوں کو سمجھنے کی معروضی کوشش کی جائے۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہؐ اور صحابہ کرامؓ کی سیرتوں کو اسلامی انقلابی جدوجہد سمجھ کر ان کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ تمام مراحل ایک ڈور میں پروئے ہوئے موتی نظر آئیں گے۔ اور فکر و نظر گواہی دیں گے کہ ہر مرحلہ صحیح ہے اور ہر اقدام اس مرحلہ کی مناسبت سے بالکل درست اور مناسب ہے‘‘ (صفحہ 254، 255)۔

مقصدِ بعثتِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی صفات:

سورۃ الفتح کی آیت 28 میں اللہ جل شانہ نے پہلے

نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۟﴾

’’وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الھدیٰ اور دینِ حق دے کر تا کہ وہ غالب کر دے اسے کل کے کل نظامِ زندگی پر اور کافی ہے اللہ مددگار کے طور پر۔‘‘

اس کے فوراً بعد آیت 29 میں آپ کی رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی آپ کی تصدیق کرنے والوں کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۠﴾ (الفتح)

’’محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت بھاری اور آپس میں بہت رحم دل ہیں۔ تم دیکھو گے انہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے، وہ (ہر آن) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔ ان کی پہچان ان کے چہروں پر (ظاہر) ہے، سجدوں کے اثر کی وجہ سے۔ یہ ہے ان کی مثال تورات میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی کونپل، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ سخت ہوئی، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ یہ کاشتکار کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلائے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، مغفرت اور اجرِ عظیم کا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی جماعت:

اس آیت مبارکہ میں ایک مفہوم یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھی ایک وحدت اور ایک جماعت ہیں۔ اس جماعت کی دو خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔ یہ کفار پر بہت بھاری ہیں اور آپس میں بہت شفیق و مہربان ہیں۔ ان کی اس شان کا ذکر سورۃ المائدہ آیت 54 میں بھی ہوا ہے۔ وہاں ان مؤمنین صادقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ؗ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ﴾ ’’وہ اہل ایمان کے حق میں بہت نرم ہیں، کافروں پر بہت بھاری ہیں۔ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈرتے نہیں ہیں۔‘‘ ان کی ان صفات کو علامہ اقبالؒ نے اپنے شعر میں یوں سمویا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

بیعت کی بنیاد پر جماعت:

متذکرہ بالا آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ صفات اس جماعت کی ہیں جو بیعت کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص آپؐ پر ایمان لاتا، آپؐ اس سے بیعت لیتے تھے، یہ ایمان کی بیعت تھی۔ لیکن سیرت کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اہل مکہ میں سے آپؐ نے کسی سے ایمان کی بیعت کبھی نہیں لی، بلکہ اہل مکہ میں سے جو کوئی ایمان لانا چاہتا وہ کلمہ شہادت پڑھتا اور بس حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ اس کے لیے کسی علامتی اقدام کی کبھی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ہاں اگر کوئی شخص باہر سے آتا تو اس سے آپؐ ایمان کی بیعت لیتے تھے۔ اس کے علاوہ مکی دور میں آپ ﷺ نے دو بیعتوں کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا تھا۔ یعنی بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ۔ ان میں بیعت عقبہ ثانیہ وہ بیعت ہے جس کی بنیاد پر مسلمان باقاعدہ ایک ’’جماعت‘‘ بنے تھے۔ اس بات کی گواہی اس بیعت کے الفاظ بھی دیتے ہیں۔ یہ الفاظ ایک متفق علیہ روایت کے مطابق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل ہوئے ہیں:

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: بَايَعْنَا رسول الله صلى الله عليه وسلم، على السمع والطَّاعة فی العُسر واليُسر، والمَنْشَطِ والمَكْرَه، وعلى أَثَرَةٍ علينا، وعلى أن لا نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَه إلا أن تروا كُفْرًا بَوَاحًا عندكم من الله تعالى فيه برهان، وعلى أن نقول بالحقِّ أينما كُنَّا، لا نخاف فی الله لومة لائم.

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامیر فی غیر معصیۃ)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ’’ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ مشکل اور آسانی میں، خوشی اور غمی میں اور خود پر ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم اختیار کے معاملے میں اصحاب اختیار سے تنازع نہیں کریں گے۔ سوائے اس کے کہ تم اس میں کھلم کھلا کفر دیکھو، جس کے (کفر ہونے پر) تمہارے پاس (قرآن اور سنت سے) واضح آثار موجود ہوں! نیز اس بات پر بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے۔‘‘

اس بیعت کا ایک ایک لفظ کس قدر اہم، غور طلب اور سبق آموز ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے کہ ہم آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے۔ خواہ مشکل ہو، خواہ آسانی ہو، خواہ اس کے لیے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں، خواہ ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے اور خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے۔۔۔ یعنی ہم کبھی شکایت نہیں کریں گے کہ ہم آپؐ کے پرانے ساتھی ہیں جبکہ آپؐ ہمارے اوپر ایک نو وارد کو امیر کیوں مقرر کر رہے ہیں؟ بس یہ آپؐ کا اختیار ہوگا کہ آپؐ جس کو چاہیں امیر مقرر کریں، آپؐ جو فیصلہ چاہیں کریں اور یہ کہ ہم آپؐ کے مقرر کردہ امیر سے کبھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ اس بارے میں رسول ﷺ کا فرمان بھی بہت واضح ہے:

((من أطاعنی فقد أطاع الله، ومن عصانی فقد عصى الله، ومن اطاع اميری فقد أطاعنی، ومن عصى اميری فقد عصانی))

(صحیح البخاری، کتاب الاحکام، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

’’جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی

نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی‘‘۔

حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام ؓ کی مذکورہ بالا بیعت کے آخری الفاظ بھی بہت اہم ہیں کہ ’’ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے‘‘۔ یعنی مشورہ مانگا جائے گا تو بے لاگ مشورہ دیں گے، اپنی رائے کو چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ اس حوالے سے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک مامور کی ذمہ داری صرف مشورہ دینے کی حد تک ہے۔ اس کے بعد امیر جو فیصلہ بھی کرے اسے دل و جان سے تسلیم کرنا اس پر لازم ہے، جیسا کہ سورۃ محمد (ﷺ) کی آیت 21 کے الفاظ ’’فاذا عزم الامر‘‘ سے واضح ہوتا ہے کہ جب فیصلہ ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم ہے۔ آج کا جمہوریت زدہ ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، کیونکہ دینِ جمہور میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔

صحابہ کرام ؓ کا صبر محض:

مکہ مکرمہ میں 13 سال نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے اس طرح جدوجہد کی کہ انہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ پورے مکی دور میں تمام صحابہ کرام ؓ کے لیے حکم یہ رہا کہ چاہے مشرکین تمہیں کتنا ہی ماریں، کتنی ہی ایذائیں دیں، حتیٰ کہ تمہیں ہلاک کر دیں لیکن تم ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ تاریخ میں اس کی شہادت موجود نہیں ہے کہ کسی نے حضور ﷺ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جو بدنصیب لوگ سنت رسول ﷺ کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں، ان کے لیے یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ مکی دور میں صحابہ کرام ؓ کس حکم پر اس شدت اور سختی سے عمل پیرا تھے؟ قرآن حکیم میں تو کہیں جا کر لگ بھگ 5 ہجری میں سورۃ النساء کی آیت 77 میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾

’’اے نبیؐ کیا آپؐ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔۔۔‘‘ لیکن پورے مکی قرآن میں یہ حکم موجود نہیں ہے۔ دراصل یہ حکم اللہ کا نہیں تھا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ یا یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم حضور ﷺ کو بذریعہ وحی خفی دیا۔ وحی جلی میں یہ حکم بہرحال موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں اس کی توثیق فرمائی ہے۔ اس آیت سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ اے مسلمانو! ایک دور وہ تھا جب حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو، اس وقت تو تم کہا کرتے تھے کہ ہمیں جنگ کی اجازت ہونی چاہیے۔ اور آج جبکہ جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو تم گھبرا رہے ہو۔ کسی جماعت کے اس درجہ منظم ہونے اور اپنے رہنما، قائد اور لیڈر کے حکم کی پابندی کی ایسی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملے گی۔

حضور ﷺ کی کامیابی کا راز:

حضور ﷺ کو اپنے مقصد بعثت کی تکمیل میں جو عظیم کامیابی ملی اس کا راز یہ ہے کہ آپؐ کو صحابہ کرام ؓ جیسے جاں نثار ساتھی مل گئے۔ اس بے مثال کامیابی کا سہرا صحابہ کرامؓ کے سر ہے۔ وہ آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کے دست و بازو بنے، آپؐ کے اعوان و انصار بنے، وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی نرم۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ مقابلے میں ان کا باپ ہے یا بیٹا۔ ان کا رشتہ صرف اللہ، اس کے رسول ﷺ سے تھا۔ ان کی تمام محبتیں اس ایک معیار پر اور اسی ایک بنیاد پر ازسرنو استوار ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((من أحب لله، وأبغض لله، وأعطى لله، ومنع لله فقد استكمل الإيمان))

’’جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے کی، کسی سے بغض و عداوت رکھی، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے دیا اور کسی سے کچھ روکا تو صرف اللہ کے لیے روکا، تو وہ ہے کہ جس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔‘‘

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام ؓ اس معیار پر کاملتاً پورے اترتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں چشم فلک نے وہ نظارہ دیکھا کہ باپ ادھر ہے اور بیٹا ادھر، ماموں ادھر ہے تو بھانجا ادھر، بھتیجا ادھر ہے تو چچا ادھر۔ ادھر حضور ﷺ ہیں اور ادھر عباسؓ بن عبدالمطلب ہیں جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ادھر ابوبکر صدیق ؓ ہیں اور ادھر ان کے بیٹے عبدالرحمن۔ ایمان لانے کے بعد عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ نے جب اپنے والد محترم صدیق اکبر ؓ سے یہ کہا کہ اباجان! میدان بدر میں آپؓ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے لیکن میں نے آپؓ کا لحاظ کیا۔ تو جواب میں جناب ابوبکر ؓ نے فرمایا: بیٹے، یہ اس لیے تھا کہ تمہاری جنگ حق کے لیے نہ تھی، خدا کی قسم! اگر کہیں تم میری زد میں آ جاتے تو میں تمہیں بالکل نہ چھوڑتا۔ اس لیے کہ یہاں معاملہ بالکل بدل چکا ہے۔ تاہم دوسری طرف وہ آپس میں انتہائی نرم اور مہربان ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹنے والے، ایک دوسرے کے دکھ درد کو اپنے باطن میں محسوس کرنے والے اور حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم شان کے حامل۔

صحابہ کرام ؓ کی عظمت کا اصل مظہر:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کتاب مبین میں اپنے رسول ﷺ کا معین یعنی مددگار قرار دے رہا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اسلام کا غلبہ اگر اکیلے رسول کے ذریعے ممکن ہو سکتا ہوتا تو کیوں نہ حضرت نوح علیہ السلام اسلام کو غالب کر دیتے! لیکن رسول کے ساتھ ایک ایسی جمعیت اور جماعت کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے آپ کو رسول کے مقصد کے لیے ہمہ تن وقف کر لے اور کامل تعاون و اعانت کا عملی مظاہرہ دکھا دے۔ جہاں رسول کا پسینہ بہے وہ اپنے خون کی ندیاں بہا دے۔ وہ رسول کے چشم ابرو کے اشارے پر اپنی گردنیں کٹوا دینے کو اپنے لیے دنیا کی عظیم ترین نعمت و سعادت سمجھے۔ جب تک ایسے لوگوں کی جماعت و جمعیت موجود نہ ہو اللہ کا دین غالب نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی امتیازی خصوصیت والی آیت مبارکہ: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ کے فوراً بعد فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ۔۔۔﴾ یہ ہے ان دونوں آیات کا باہمی ربط و تعلق۔ یہ ہے نظم آیات جس میں معانی و مفاہیم اور حکمت و بصائر کے کبھی ختم نہ ہونے والے خزانے موجود ہیں۔ یہ ہیں وہ جواہرات اور عجائبات جو قرآن و حدیث اور سیرت مطہرہ میں معروضی طور پر تدبر اور غور و فکر کرنے والے طالب علم کے نصیب میں آتے ہیں۔

دو جامع مگر متضاد اوصاف:

صحابہ کرام ؓ کی سیرت کے دو اوصاف یا دو ابعاد (Dimensions) جو سورۃ الفتح کی محولہ بالا آیت

میں بیان ہوئے ہیں انہی کی گواہی دی تھی ایرانی جاسوسوں نے جب ایران کی افواج کے سپہ سالار رستم نے انہیں مسلم افواج کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے بھیس بدل کر مسلمانوں کے لشکر میں گھوم پھر کر حالات معلوم کیے اور واپس جا کر رستم کو جامع ترین الفاظ میں جو رپورٹ دی وہ یہ تھی کہ یہ عجیب لوگ ہیں۔ ''ھم رھبان باللیل وفرسان بالنھار۔'' یہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار نظر آتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ دونوں اوصاف بیک وقت پائے جاتے تھے۔ ایک طرف حمایت حق میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور دوسری طرف حق والوں کے دلی دوست اور غمخوار۔ دراصل ان کی محبت وعداوت کا معیار بدل گیا تھا۔ اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے راستے میں جہاد کی خاطر وہ اپنے تمام علائق دنیوی کو تج دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت وعداوت کا معیار:

صحابہ کرام منفرد انقلابی شان کے حامل تھے۔ باطل سے رشتہ ناتہ توڑ چکے تھے۔ تربیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر جہاں ''رحماء بینھم'' کی کیفیت پیدا کی تھی وہاں پر ''اشداء علی الکفار'' کی شان بھی بتمام وکمال پروان چڑھائی تھی۔ معرکہ بدر میں یہ شان اس طرح نظر آتی ہے کہ قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء تھے۔ اسی طرح ''رحماء بینھم'' کی نمایاں مثالیں بھی ملتی ہیں۔ جنگ یرموک کا ایک بڑا دل گداز واقعہ ہے جو ''رحماء بینھم'' کی بڑی نمایاں عکاسی کرتا ہے۔ ایک زخمی کی آواز آتی ہے: العطش العطش (پیاس، پیاس)۔ ایک مجاہد پانی لے کر اپنے زخمی بھائی کی طرف لپکتے ہیں کہ اچانک دوسری طرف سے ایک اور مجاہد کی آواز سنائی دیتی ہے۔ العطش العطش۔ وہ زخمی کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کی پیاس بجھاؤ۔ پانی لانے والے مجاہد اس کے پاس پہنچتے ہیں کہ تیسری طرف سے آواز آ گئی۔ العطش العطش۔ وہ کہتے ہیں کہ پانی پہلے اس بھائی کے پاس لے جاؤ۔ وہ ادھر لپکتے ہیں۔ پانی وہاں پہنچا نہیں ہے کہ زخمی کی روح پرواز کر گئی۔ وہ پلٹ کر دوسرے زخمی تک پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکا۔ پہلے زخمی کے پاس آئے تو وہ بھی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ تینوں بغیر پانی پیئے چلے گئے، لیکن سورۃ الحشر کی آیت 9 میں مؤمنین صادقین کے لیے جو الفاظ مبارکہ آئے ہیں:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ﴾

''خواہ ان کے اپنے اوپر کتنی ہی تنگی ہو وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے والے ہوتے ہیں۔'' یہ شہداء کرام اس کی عملی تصویر پیش کر گئے۔ رضی اللہ عنہم وارضاھم اجمعین۔

ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان جو مواخات قائم فرمائی، پوری تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کی شخصیت کا ایک وصف تو یہ ہے کہ ان کی محبت، دوستی اور قرابت داری کے پیمانے بالکل بدل گئے تھے۔ ان کی دلی محبتیں، تمام ہمدردیاں ان لوگوں کے لیے سمٹ آئیں تھیں جو راہ حق میں ان کے ہم سفر تھے۔ یہی ان کا مطلوب ومقصود وصف تھا جس نے اللہ کی نگاہ میں ان کے مرتبے، مقام اور وقعت کو بڑھا دیا تھا اور جو اس حدیث قدسی کا مصداق کامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار ہوگی:

((أین المتحابون بجلالی؟ الیوم أظلھم فیظلی یوم لا ظل إلا ظلی))

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب فی فضل الحب فی اللہ)

''کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ آج کے دن میں ان کو اپنے عرش کے سایہ میں پناہ دوں گا کہ اس دن میرے عرش کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قابل تقلید نمونہ:

غلبہ واقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے دونوں رخ سامنے رکھنے ہوں گے ورنہ کامیابی چاہے دنیوی ہو یا اخروی کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یہ دو رخ اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم ہیں۔ ان کو سورۃ الانفال میں اس طرح بیان کی گیا ہے۔ ایک رخ ہے تعلق مع اللہ کا۔ فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾ (الانفال)

''حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو حقیقی مؤمن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس اونچے درجے اور مغفرت وعزت والا رزق ہے۔''

یہ پہلا رخ ہے۔ بدقسمتی سے اس کو انقلابیت کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ رخ جتنا مستحکم ومضبوط ہوگا تو دوسرا رخ بھی اتنا ہی پائیدار ہوگا۔ دوسرا رخ آیت 74 میں بیان ہوا ہے اور دونوں کا اختتام بالکل ایک جیسا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾ (الانفال)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں (یعنی مہاجرین) اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو پناہ دی (یعنی انصار مدینہ) اور ان کی مدد کی یہی لوگ ہیں سچے مؤمن۔ ان کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔''

حرف آخر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کے اس درجہ پر فائز تھے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب تھا اس لیے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ''تم بھی ویسا ہی ایمان لاؤ جیسا صحابہ کرامؓ ایمان لائے تھے''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کا حق ادا کیا بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کا منفرد وزریں باب رقم کیا۔ ان لوگوں کے نقش قدم پر چل کر غلبہ واقامت دین کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جیسا بننے کی توفیق عطا فرمائے جیسا کہ انہوں نے اپنے مخاطبین سے کہا تھا ''کونوا مثلنا''۔ اللھم ربنا اجعلنا منھم۔ آمین یارب العلمین۔

❀❀❀

اقبال کا مردِ مومن

مختار حسین فاروقی

اس وقت ہماری گفتگو کا عنوان ہے اقبال کا مردِ مومن۔ڈاکٹر محمد اقبال پاکستان کے مجوز بھی ہیں اور مبشر بھی۔تجویز بھی انہوں نے دی اور خوشخبری بھی مزید برآں عالمی خلافت کی نوید بھی انہوں نے سنائی اگرچہ قرآن وحدیث میں باتیں ہیں لیکن عوامی سطح پر 100 سال پہلے بات کرنے والے سوائے علامہ اقبال کے اور کوئی نہیں ہے اور یہ اللہ کا شکر ہے کہ تنظیم اسلامی قرآنی فکر اور علامہ اقبال کی فکر کو لے کر آگے چل رہی ہے۔بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے علم اور ذہنی تشکیل کے لیے جو چار ذرائع بتائے ہیں کہ میں نے یہاں یہاں سے علم سیکھا ہے تو وہ کیا ہیں؟ آپ نے پڑھا ہوگا کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ دو شیخین ہیں جن سے میں نے قرآن سیکھا ہے۔ ایک شیخ الہندؒ اور دوسرے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ ہیں۔دو ابوین ہیں جو ابو کے نام سے مشہور ہیں ایک ابوالکلام ہیں جو پاکستان بننے کے بعد انڈیا میں رہ گئے اور اُدھر ہی وفات پائی، دوسرے ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔تیسرا جوڑا احسنین یعنی علامہ حمید الدین فراہیؒ اور جناب امین احسن اصلاحی ہیں اور ان حضرات کا نام بھی آپ نے سنا ہوگا۔اور جو چوتھا جوڑا ہے وہ ڈاکٹورین کا ہے ایک ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہیں اور دوسرے ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ ہیں۔ان کے بارے میں تفصیل تو ہمارے لٹریچر میں موجود ہے لیکن خلاصہ یہ ہے کہ شیخین ہمارے روایتی علماء کے نمائندے ہیں۔شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ یہ ہمارے روایتی علماء ہیں اور قرآن وحدیث کے شارحین اور مفسرین ہیں، یہ اس سنہری زنجیر سے تعلق رکھتے ہیں جن کا سلسلہ جڑتے جڑتے صحابہ کرامؓ تک پہنچتا ہے۔

جو ابوین ہیں، ان میں سے تنظیم اسلامی کے لحاظ سے بانی تنظیمؒ کا ایک حد تک تعلق ابوالکلام آزادؒ سے تھا۔ان سے سیکھا اور دوسرا تعلق ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے تھا۔ان کی جماعت میں شامل رہے لیکن بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے کہ 1920ء کے بعد ابوالکلام آزادؒ خود اس مشن کو چھوڑ گئے اور جہاں تک ابوالاعلیٰ مودودی کا ذکر ہے ان کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمدؒ 1957ء میں ان سے الگ ہو گئے ایک اصولی اختلاف کی بنیاد پر۔لہٰذا ایک حد تک ان کی فکر سے متاثر ہیں ہمارے دین میں جو شہادت علی الناس کا تصور ہے یہ قرآنی تصور ہے لیکن بعد میں انہوں نے دیا اور ڈاکٹر صاحب نے انہی سے سیکھا اور اسے آگے ہم لے کر چل رہے ہیں اور اقامت دین کی اصطلاح اور تصور بھی اگرچہ قرآن وحدیث کا ہے لیکن انہوں نے دیا اور ہم لے کر چل رہے ہیں۔ جہاں تک مولانا فراہیؒ اور امین احسن اصلاحیؒ کا تعلق ہے مولانا فراہیؒ نے نظام القرآن کے نام سے ایک تفسیر قرآن مجید کی تفسیر کے اصول دیئے۔تدبر قرآن انہی کی بنیاد پر اصلاحی صاحب نے لکھی۔ اصلاحی صاحب سے ڈاکٹر صاحب کا تعلق رہا لیکن ڈاکٹر صاحب نے زندگی میں ہی اصلاحی صاحب سے علیحدگی اختیار کر لی بعض اختلافات کی وجہ سے اور قرآن مجید کی کچھ اسلاف سے ہٹی ہوئی تعبیرات کی وجہ سے۔لہٰذا ان دونوں سے تعلق بھی ہمارا اس معنی میں نہیں رہا جو تعلق تھا جو دیکھنا تھا جو مثبت باتیں تھیں وہ لے لیں۔ چوتھے نمبر پر جو دو شخصیات کا ایک جوڑا ہے وہ ہے دکتورین کا علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی خود کتابیں موجود ہیں ان کے اشعار ہیں، ان کی تشریح ہے ان کی کئی نظموں کی ڈاکٹر صاحب نے خود تشریح کی ہے اور سنائی ہے۔ڈاکٹر رفیع الدینؒ جو ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے شاگرد ہیں اور ان کا اقبالی حلقہ وہ بھی سمجھتا ہے کہ علامہ اقبال کے سب سے بڑے شارع ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ ہیں۔آپ شاید جانتے ہی ہوں گے کہ قرآن اکیڈمی لاہور میں ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن قائم ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین کا بیٹا کراچی میں ہوتا ہے۔وہ ان کے تعلق سے ان کے sponsorship سے وہ فاؤنڈیشن قائم ہے اور ڈاکٹر رفیع الدین کی کتابیں انجمن گویا کہ شائع کرتی رہتی ہے، بڑی بنیادی کتابیں ہیں جو پچھلی نصف صدی میں کسی نے نہیں شائع کی وہ انجمن نے ہی شائع کی ہیں۔تو ان سے ہمارا تعلق ہے، ان کی فکر کو لے کر چل رہے ہیں، practically علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کی تشریحات ہیں جو ہم لے کر چل رہے ہیں۔

آج کی ہماری گفتگو کا عنوان ہے ''علامہ اقبال کا مردِ مومن''، قرآن مجید کا وہ تصور جسے لے کر تنظیم اسلامی چل رہی ہے کہ قرآن مجید پر جو بھی شخص ایمان لاتا ہے مسلمان کہلاتا ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی کہلاتا ہے، مومن کہلاتا ہے اور اس پر کچھ دینی فرائض عائد ہوتے ہیں۔''بندگی رب، شہادت الناس اور اقامت دین'' کا تصور ہے اور پھر ان کو ادائیگی کا طریقہ ہے۔قرآن مجید کو اگر صحابہ کرامؓ کی طرح پڑھا جائے اور سمجھا جائے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا اور صحابہؓ نے سمجھ کر آگے پھیلایا اور ان کی زندگیاں جس بات کی گواہی دے رہی ہے وہ ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھ کر محمد ﷺ کی تعلیمات کو لے کر گھر آرام سے نہیں بیٹھ جانا بلکہ اس فکر کو اپنے اوپر طاری کرنا اور اس کو لے کر دنیا میں پھیلانا ہے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اسی کی آئینہ دار ہیں، اسی طلب سے انقلاب نکلتا ہے سورۃ حدید کی آیت نمبر 25 میں تشریح کرتے ہوئے انقلاب کا لفظ آتا ہے،ایک تبدیلی مطلوب ہے۔دنیا میں جو حکومتیں ہیں، معاشرے ہیں، ان کے life style ہیں، ان کے شب وروز ہیں، ان کا رہن سہن ہے، ان کی تہذیب وتمدن ہے، خوشی غمی کے طریقے ہیں لیکن قرآن مجید ان میں ایک انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے اور اس انقلاب کے لیے افراد کار بھی تیار کیے جائیں۔اسی طرح احادیث مبارکہ کے مطابق عالمی خلافت کا تصور ہے، قیامت سے پہلے پہلے ایک وقت آئے گا کہ کسی ایک ملک میں اسلام نافذ ہو جائے گا پھر یہ غلبہ پھیلتے پھیلتے سارے globe پر یعنی پورے روئے ارضی پر اسلام کا غلبہ ہو جائے گا۔یہ ہے عالمی خلافت کی نوید جو بہر صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے لیے افراد کیسے چاہئیں۔ قرآن وحدیث میں کیا ذکر اور اشارے ہیں، اور اقبالؒ نے کیسے اسے اپنے شعروں میں سمویا ہے۔

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست
ما امینیم ایں متاع مصطفیؐ است

''فقر'' ذوق وشوق اور تسلیم ورضا کا دوسرا نام ہے، یہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی متاع ہے اور ہم اس کے امین ہیں۔

فقر: حضرت علی ؓ کی زندگی کتنی سادہ تھی۔ آپ ان کے حالات پڑھیں۔ جب خلیفہ وقت تھے تب بھی سوکھی روٹی پانی میں ڈبو کے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف بہادری و جانفشانی کا یہ عالم ہے کہ خیبر فتح کر رہے ہیں اور یہ کہ محمد ﷺ کی دی ہوئی چیزیں، کسی نے محمد ﷺ سے سن کے آگے پہنچائی اور آج 1400 سال بعد آج ہمیں کسی نے پہنچا دیں۔ اب ہم اس کے امین ہیں۔ اب ہم نے یہ پیغام اگلی نسل کو منتقل کرنا ہے۔ اگر ہماری زندگی میں یہ کام ہو گیا تو بہت خوب اور کسی وجہ سے نہ ہو سکا تو اگلی نسل کو یہ متاع پہچا دینی ہے کیونکہ ہم امانت دار ہیں۔

فقر برکروبیاں شبخون زند
بر نوامیس جہاں شبخون زند
برگ و ساز او زقرآن عظیم
مرد درویش نگنجد در گلیم

قرآن عظیم کے ساتھ، قرآن کا پڑھنا پڑھانا ہو اور یہ کردار ہو انسان کا۔ تو پھر دنیا نے صحابہ کرام ؓ ہی کیا بلکہ ان کے بعد جو تابعین گزرے ہیں اور جو تبع تابعین اور جو اولیاء اللہ ہیں یہ تو واقعتاً کسی اور ہی طرح کے انسان تھے۔ وہ آج کی اصطلاح میں Super Human شمار ہوتے ہیں۔ آج بھی غلبہ دین کے لیے ایسا ہی کردار درکار ہے۔ جبکہ آج کا کردار کیا ہے کہ جہاں کہیں کسی فوج کا پڑاؤ ہوتا ہے، کہیں آ کر فوج نے عارضی camping کی ہے، وہاں آس پاس کی ساری بستیاں لوٹ لی جاتی ہیں اور بستیوں میں بسنے والی عورتوں کی عزتیں لٹ جاتی ہیں۔ یہ اسلام کی فوج کا تصور نہیں ہے، یہ مرد مؤمن کا تصور نہیں ہے، یہ تو امریکی فوج ہو سکتی ہے۔ امریکی فوج نے آ کر افغانستان میں کیا کیا؟ 2005ء میں زلزلے میں امداد کے نام پر کشمیر میں آ گئے تھے وہاں انہوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ Times اور دوسرے اخبارات کی رپورٹیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ جدید دور کی افواج جو میدان میں ہیں ان کے کردار، اور صحابہؓ کے کردار بالکل اور یکسر مختلف تھے۔ جس کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ ''اشداء علی الکفار رحماء بینھم''

ان کی راتیں اللہ سے لو لگانے اور دن اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے بسر ہوتے تھے جبکہ آج کی فوجوں اور دوسرے جو لوگ ہیں ان کی راتیں اور دن کیسے بسر ہوتی ہیں، یہ کسے معلوم نہیں۔

صحابہ کرام ؓ رات کے راہب اور دن کے مجاہد تھے جبکہ آج کا حال یہ ہے کہ رات کو شرابیں اور فحاشی کا دور دورہ ہوتا ہے اور دن کو بہرحال اپنی ڈیوٹیاں دیتے ہیں جیسے بھی دیتے ہیں۔

افغانستان میں وہ واقعہ ہوا تھا 2009-2010ء میں پاکستان اور افغانستان کے حالات کشیدہ ہو گئے تھے۔ افغانستان کی ساری تجارت پاکستان کے راستے سے ہوتی ہے تو پاکستان نے وہ بند کر دی، امریکی امداد بھی بند ہو گئی لہٰذا کینٹینرز کھڑے ہو گئے، ہزاروں کینٹینرز کی لائنیں لگ گئیں۔ امریکہ نے منتیں کر کے امداد جاری کروا دی تو چند مہینے بعد پتا چلا کہ وجہ کیا تھی کہ امریکی فوجی جو افغانستان میں تھے وہ جب 10، 10 گھنٹے ڈیوٹیاں دیتے تھے اور گھر سے باہر رہتے تھے۔ وہ پیمپر باندھ کر جاتے تھے ان کو وہاں ضروریات انسانی، حوائج انسانی کو رفع کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ بہرحال یہ بے عزتی کی بات امریکہ کے سامنے آئی کہ امریکی فوج پیمپرز باندھ کے پھرتی ہے۔ ان کے لیے کوئی پاکی اور پاکیزگی کا تصور ہی نہیں ہے۔ تو جب وہ کینٹینرز بند ہوئے تو وہ جو پیمپرز آ رہے تھے، وہ بھی ختم ہو گئے۔ کم از کم 40000 پیمپرز روزانہ کی ضرورت تھی۔ جب وہ بند ہوئے تو امریکہ کو منتیں کرنی پڑی۔۔۔۔

قلبِ اورا قوت از جذب و سلوک
پیش سلطاں نعرہ او لا سلوک

مردِ مومن کا دل تو اپنے ایمان کی وجہ سے، اللہ سے لو لگانے کی وجہ سے اور محمد ﷺ سے تعلق کی وجہ سے ہے اور وہ اللہ اور رسول ﷺ اور جہاد سے محبت و عشق والی زندگی گزارتا ہے۔ ہم جو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں، اس الٰہ کے کئی معنی ہیں۔ قیصر روم ہو یا شہنشاہ ایران ہو اس کے سامنے ''لا'' کا مطلب ہے کہ ''لا ملک'' کوئی بادشاہ نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی بادشاہ حقیقی ہے۔ بس تم غاصب اور قابض ہو! اور ہمیشہ نہیں رہو گے دیکھو مسلمان ہو جاؤ، اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرو تو ٹھیک ہے اللہ کے بندے ہوتے ہوئے اپنا حکم چلانا چاہتے ہو تو پھر تمہاری کوئی گنجائش نہیں۔

آبروئے ما ز استغنائے اوست
سوز ما از شوق بے پروائے اوست
خویشتن را اندر ایں آئینہ بیں
تا ترا بخشند سلطان مبین

اپنے کردار پر نظر ڈالو۔ اس کردار کا کوئی جھلک اپنے اندر پیدا کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہیں سلطانی عطا فرما دے گا۔ تمہیں حکمرانی دے دے گا۔ دنیا کے وسائل عہدے تمہارے ہاتھ میں کر دے گا۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں۔

اگلی بات جو علامہ نے کہی ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمارے سامنے آتی ہے کہ خلافت قائم ہو گی جو اب عالمی ہو گی۔ علامہ اقبال نے حدیث کی رو سے وہ اخذ کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا۔ حضور ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ عام مفہوم جو علماء لیتے ہیں کہ نماز کہیں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ مسجد میں جانا ضروری نہیں اہل چرچ کے لیے اور اہل دَیر کے لیے چرچ جانا ضروری ہے اور اہل دَیر کے لیے مندروں والوں کے لیے بھی مندروں میں جانا ضروری ہے جبکہ مسلمانوں کے لیے ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ جہاں چاہو کپڑا بچھاؤ، جگہ صاف کرو اور وہاں باجماعت نماز ادا کر۔ علامہ اقبال نے اس سے یہ تصور لیا ہے وہ یہ ہے کہ

مومناں را گفت آں سلطان دین
مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں

محمد ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟ جسے اقبال اپنے الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ

الاماں از گردش نہ آسماں
مسجد مومن بدست دیگراں

افسوس کی بات ہے، رونے کی بات ہے کہ وہ مسجد جسے محمد ﷺ نے مسجد کہا ہے یعنی یہ زمین آج کافروں کے پاس ہے۔ اس زمین پر حق بنتا ہے کہ اللہ کے ماننے والے اور محمد ﷺ کے ماننے والے جو ہیں ان کے ہاتھ میں انتظام و انصرام ہو۔ وہ نظام خلافت چلا رہے ہوں اجتماعی معاملات ان کے ہاتھ میں ہوں، کلچر ان کا ہو، تہذیب ان کی ہو، لائف سٹائل ان کا ہو، رہن سہن ان کا ہو، شب و روز ان کے ہوں، لیکن آج یہ زمین جو مسلمان کے لیے مسجد کی حیثیت رکھتی ہے امریکہ اور اسرائیل کے پاس ہے اور بے دین، بے غیرت، بے شرم اور بے حیا لوگوں کے پاس ہے۔ (سخت کوشد بندہ پاکیزہ کیش تا بگیرد مسجد مولائے خویش)۔

بندۂ مومن کو تو رات دن آرام نہیں کرنا چاہیے اور اس کام کے لیے محنت کرنی چاہیے تاکہ محمد ﷺ نے جس چیز کو مسجد کہا ہے وہ کافروں کے قبضے سے چھڑا کر محمد ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دی جائے۔ مسجد پر اگر کوئی قبضہ

کرلے تو اہل محلہ سوئیں گے اب ساری دنیا پوری روئے ارضی مسجد ہے اور یہ کافروں کے قبضے میں ہے۔

حل نشد ایں معنی مشکل مرا
شاہیں از افلاک بگریزد چرا

علامہ کہتے ہیں مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی آج کے لوگ مسلمان کہلاتے ہیں ۔ علامہ اقبال مرد مومن کو بھی شاہین کہتا ہے شاہین ایک عجیب قسم کا پرندہ ہے جو عرب شکار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ عام پرندوں کی طرح گندگی نہیں کھاتا، بہت اونچا اڑتا ہے۔ اس کی نگاہ بڑی تیز ہوتی ہے۔ وہ پرواز بھی اونچی رکھتا ہے اور اپنا شکار خود کر کے کھاتا ہے۔ کسی اور کا کیا ہوا شکار بھی نہیں کھاتا، تو ان چند اوصاف کی وجہ سے علامہ اقبال بندہ مومن کو شاہین کہتے ہیں۔ کہتے ہیں جی آج کے مردِ مؤمن شاہین سے مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا کہ ''شاہیں از افلاک بگریزد چرا اور بندہ مومن اسلام کا کام کرنے کی بنا پر نہیں ہے اور محمد ﷺ کے دین کو پھیلانے کو تیار نہیں یہ کیسے شاہین ہیں جو اڑنے کو تیار نہیں جو اپنا شکار کرنے کو تیار نہیں ہے، جو اپنے فرائض دینی ادا کرنے کو تیار نہیں ہے۔

وائے آں شاہین کہ شاہینی نکرد
مرغکے از چنگ او نامد بدرد

افسوس ہے آج کے شاہین پر جو شاہینی نہیں کرتا کوے کی طرح کے عادات واطوار اس نے اپنا لیے ہیں۔

درکنارمی ماند زار و سر نگوں
پر نہ زد اندر فضائے نیلگوں

اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں بس موبائل ہو اور کوئی کام نہ ہو اللہ اللہ خیر صلیٰ۔ یہ کیسے مرد مومن ہے، اپنے پر پھیلاؤ ساری دنیا تمہاری ہے، کام کرو۔ لیکن ہم کام کرنے کو تیار ہی نہیں، یہ شاہین اڑنے کو تیار نہیں کہ بس کام نہ کرنا پڑے اور بیٹھے بٹھائے دین کا غلبہ ہو جائے۔ ابھی یہ جو ایک سال سے وبا آئی ہوئی ہے، اس میں باقی سارے گھر بیٹھے ہیں۔ اسکول بند، مارکیٹیں بند، ہر کاروبار بند، لیکن ایک کاروبار جو پھیلا رہا ہے وہ انٹرنیٹ کا ہے وہ گھر بیٹھے پیسے کما رہے ہیں۔ ان کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ میرا کاروبار تو بند ہے لیکن چلوان کی آمدنی دوگنی ہو جائے اور ان کا خرچہ پورا ہو جائے۔ ان کا کاروبار پوری دنیا میں چل رہا ہے ان کی ساری کمپنیاں بک ہے۔ 100 فیصد ساری کے ساری۔ لوگ استعمال کر رہے ہے۔ تو یہ مغرب کی چالاکیاں ہے، اس کو چھوڑ کر ہمیں اپنا لائف سٹائل اختیار کرنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

فقرے قرآن احتساب ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود

قرآن پڑھو کہ جو درویشی کی زندگی ہے اور وہ زندگی تو ایسے حالات پیدا کرنا ہے بندہ مؤمن کی سربراہی میں ایسی حکومت قائم ہو جائے کہ جہاں تمام چیزوں کا احتساب ہو سکے کہ کونسی چیز دین کے مطابق چل رہی ہے اور کونسی اس کے خلاف چل رہی ہے۔

مغرب نے جو نت نئے طریقے بنا دیئے ہے وہ بندۂ مومن کے لیے نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اپنے طور طریقے ہوں گے صحابہ کرامؓ کے بھی تھے۔ آج بھی جب اسلام آئے گا تو خوشی غمی کے طریقے ہوں گے۔ لیکن وہ یہ نہیں ہیں جو مغرب نے بنا دیے ہیں۔

فقرِ مؤمن چیست تسخیر جہات
بندہ از تاثیرِ او مولا صفات

بندہ اگر دین پر چلے تو اللہ پاک بندہ مؤمن میں خدائی شان پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے بھی الفاظ ہیں جو صوفیاء میں زیادہ مشہور ہے۔ (تخلقو باخلاق اللہ) اللہ تعالیٰ سارے جہاں کے خرانوں کا مالک ہے، سارا رزق، ساری کھانے پینے کی چیزیں اس کی ہے لیکن وہ ان سے دور رہتا ہے۔ جیسے روزے کی کیفیت میں بندہ مومن کھاتا پیتا نہیں ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں سامنے پڑی ہے لیکن نہیں کھا رہا میں نے فیصلہ کر لیا ہے شام تک نہیں کھانا اس طرح بندہ مومن میں استغناء پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دین پر چلتا ہے اور اپنے اعلیٰ مقاصد کو اختیار کر لیتا ہے۔

فقرِ کافر خلوت دشت و در است
فقرِ مؤمن لرزہ بحر وبرأست
زندگی آں را سکون خاروکوہ
زندگی ایں را زمرگ باشکوہ
فقرِ عریاں گرمی بدروحنین
فقرِ عریاں بانگ تکبیرِ حسین
تاکجا بے غیرتِ دیں زیستن
اے مسلمان مردن است ایں زیستن

کب تک دین کی غیرت کے بغیر زندہ رہو گے، ہماری دینی غیرت کب جاگے گی۔ اخباروں میں ہوتا ہے کہ فلاں آدمی نے غیرت کے نام پر اپنی بہن کو، بیٹی کو، بہو کو قتل کر دیا۔ اس کو کسی کے ساتھ دیکھا غیر شائستہ حالت میں اس کو غیرت آ گئی۔ ہم فلاں اور فلاں تو ہیں لیکن کیا واقعی باغیرت مسلمان بھی ہیں۔ کوئی دینی غیرت بھی ہونی چاہیے، کہ دین اسلام کے بھی کچھ تقاضے ہیں، جس پر عمل نہیں ہو رہا۔ محمد ﷺ کی توہین ہو رہی ہے، اگر یہ غیرت نہیں تو پھر بے غیرتی ہے اور دین کے اعتبار سے کب تک ہم اسی طرح بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔

بے غیرت آدمی اس دنیا میں بے وقوف بنتا ہے اور بے غیرت کہلاتا ہے اسی طرح دین کی غیرت کے بغیر زندگی بھی زندگی نہیں بلکہ موت ہے۔

بڑا افسوس ہے مجھے اس قوم پر پاکستان کی مثال لے لیں۔ اسی طرح عالم عرب ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہی نہیں ہو پارہا۔ مسلمان قوم ارب پتی پیدا کر رہی ہے۔ لیکن درویش پیدا نہیں کر رہے اور اس دنیا میں کوئی ملا عمر بھی پیدا ہو جائے۔ جو سادہ زندگی گزارتا ہے۔ آخری فوٹو جو آیا ہے کہ امریکہ کا جو سب سے بڑا بیس تھا اس سے 4 کلومیٹر کے فاصلہ پر وہ شخص ایک کچے دو کمروں کے ایک گھر میں زندگی گزارتا رہا اور امریکہ کے سیٹلائٹ بھی نہیں دیکھ سکے اس کو۔ ہم ارب پتی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن یہ کہ درویش پیدا کرنے کو تیار نہیں ہے یہ قوم ایسی بانجھ ہے حالانکہ پیدا درویش ہونے چاہیے تھے۔ محمد ﷺ کا یہی سرمایہ ہے یہی وراثت ہے اور یہی تعلقات دین ہے۔

کبھی ہم نے سوچا ہے کہ عصر حاضر، مغربی تہذیب کی ترقی اور پھیلاؤ نے ہمارے ساتھ کیا کر دیا ہے؟ کیا داؤ کھیل گئے ہیں ہمارے ساتھ؟ ہمیں پتا ہی نہیں چل رہا۔ عصر حاضر نے ہمیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا کھاؤ پیو عیش کرو شام کو بازار کی سیر کرو اور جناب فاسٹ فوڈ کھاؤ اور دن کا کمایا خرچ کر کے گھر آ کر سو جاؤ۔ فیملی والے ہو تو فیملی سمیت بازار چلے جاؤ، وہاں سے کھا کر آ جاؤ۔ آج ایک ریسٹورنٹ سے کھایا تو کل دوسرے ریسٹورنٹ سے کھائیں گے گویا کہ عصر حاضر نے ہمیں اپنے دینی فکر سے بیگانہ کر دیا ہے۔ سوز نکل گیا، اندر جو صلاحیت ہے اور ہمارے اندر کی مسلمانی نکلتی جا رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال نے جو مرد مؤمن کا تصور دیا ہے، اسے اپنایا جائے، جن خرابیوں کی نشاندہی کہ ان سے بچا جائے تو آج بھی اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں سے فتح ونصرت کے ساتھ ساتھ آخرت میں جنت کا وعدہ ہے۔ بقول اقبال ؎

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

دعوت کے عملی تجربات

علی جنید میر

کامیابی و ناکامی، فتح و شکست اور عروج و زوال عالم خلق کا خاصہ و مستقل ضابطہ ہے۔ غالباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اس فرمان الٰہی میں کہ ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ ''اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے جانچنے کو اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے'' عالم خلق میں کارفرما یہ اصول اس عالم کے تمام اجزا حتیٰ کہ اس میں دی جانے والی تمام دعوتوں پر بھی غالب ہے۔ ہمارا موضوع چونکہ دعوت کے عملی تجربات ہے اور دعوت سے ہماری مراد دعوت الی اللہ ہے جو کہ دعوت الی الطاغوت کے بالمقابل ہے چنانچہ اس ضمن میں دو بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

پہلی یہ کہ عالمی سرمایہ دارانہ اقلیت (World Capitalistic) کے موجودہ دنیا پر غاصبانہ تسلط کا نتیجہ ہے کہ حق، خیر اور کامیابی ماضی کثرت میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔

دوسری یہ کہ دعوت الی اللہ کی مبارک جدوجہد میں بظاہر شکست، نقصان اور ذلت کے مراحل بھی آسکتے ہیں بظاہر اس لیے کہ اخلاص سے دی گئی دعوت اگر عالم خلق میں نتیجہ خیز اور مفید نہ بھی ہو تب بھی بہترین اخروی انجام کا باعث ہے، کیونکہ دعوت الی اللہ کا کام فی ذاتہ خیر ہے جبکہ دعوت الی الطاغوت عالم خلق میں بظاہر جتنا بھی راج کرتی نظر آئے اس کا انجام اخروی انتہائی بھیانک اور خطرناک ہے کہ یہ دعوت فی ذاتہ شر ہے بلکہ خالق و مالک کائنات کی جانب سے شر کے داعی بعض افراد و اجتماعات کو اُخروی انجام سے قبل ان کے خیر کے خلاف تمرد کے باعث عالم خلق میں بھی ہمیشہ کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

دعوت الی اللہ کے ضمن میں فعال ہر داعی ہر دن کئی تجربات سے گزرتے ہیں ذیل میں ہم مختلف مثالوں سے چند تجربات کا ذکر کرتے ہیں مگر ان تجربات کے نتائج کو قاری خود ہی اخذ کرے گا۔ ہم صرف مثالوں کے بیان پر اکتفا کریں گے۔

ایک دوست نے پوچھنے پر بتایا کہ دو چار سال دعوت کا کام کرتا رہا مگر چند ایک افراد ہی نے دعوت قبول کی۔ سوچتا رہتا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ لوگ کیوں بات نہیں سنتے؟ ایک دن تنظیم کے ماہانہ اجتماع کے بعد مسجد میں اکیلا بیٹھا انہیں سوچوں میں محو تھا کہ اچانک دو لفظ بجلی کی سی چمک کی طرح ذہن میں ظاہر ہوئے ''شکر کر'' تو ذہن شکر کے مفہوم کی طرف منتقل ہو گیا محسوس ہوا کہ یہی تو اصل مسئلہ ہے اب تک کے اپنے باطنی رویوں میں سے سب سے خطرناک رویہ (یعنی اپنی صلاحیتوں پر بھروسا کرتے ہوئے دعوت دین کا کام کرنا) کی نشاندہی کی گئی ہے چنانچہ دو لفظ غیبی اشارہ محسوس ہوئے فوراً اُٹھا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دو رکعتیں توبہ و استغفار اور دو رکعتیں شکرانہ کی پڑھیں اور ساتھ ہی ارادہ کیا کہ چھوٹی بڑی تمام نعمتوں پر شکر کو لازم کروں گا اس باطنی تبدیلی سے مجھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق میں مزید مضبوطی محسوس ہوئی اور الحمدللہ یہ مستقل عادت بن گئی ہے کہ دعوت دینے سے قبل اللہ تعالیٰ سے اپنی اور اپنے مدعو کی ہدایت کی دعا کرتا ہوں اور معاملہ دعوت کے بعد بھی جب جب یاد آئے جاری رہتا ہے اور اگر مدعو میں کوئی شخصی تبدیلی آئے یا وہ غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں شریک ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے خصوصی شکر ادا کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ اس تبدیلی سے ایک تو دعوت مؤثر ہو گئی ہے اور دوسرا یہ ہوا کہ دعوت کے خلاف توقع نتائج سے جی ہم اور غم کی نوبت نہیں آتی اور تیسرا اہم ترین فائدہ اس تجربہ سے یہ ہوا کہ میری کوئی حیثیت نہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوتا ہے چنانچہ میرا کل ''عملِ دعوت'' رب کی رضا کے لیے ہی خالص ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''آپؐ کہیے میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔'' (الانعام)

اسی طرح کسی خاص موقع پر ایک رفیق تنظیم یہ واقعہ سنانے لگے کہ ایک مرتبہ اپنے استاد محترم کا سنایا ہوا واقعہ جمعہ کے خطاب کے درمیان بیان کیا کہ ایک حادثہ میں 65 سالہ ٹرک ڈرائیور شدید زخمی ہو گیا اسے محسوس ہوا کہ شاید اب موت ہے اچانک اپنے رب سے دعا کرنے لگا اے میرے مالک! اگر تو مجھے ایک دفعہ مہلت دے تو میں تیری کتاب حفظ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی کچھ عرصہ میں وہ صحت یاب ہو گیا پھر کچھ عرصہ میں اس نے قرآن حکیم کے حفظ کی سعادت حاصل کر لی۔ رفیق کہنے لگے کہ جمعہ کے بعد ایک بزرگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں بھی تقریباً ساٹھ سال کا ہو چکا ہوں اور افسوس کہ آج تک قرآن نہیں پڑھا اس پر رفیق نے اس سے کہا کہ آپ کو تو سیکھنے کا دوہرا اجر ملے گا (فلہ اجران) تقریباً ایک ماہ بعد وہ بزرگ دوبارہ ملتے ہی کہنے لگے کہ آپ کا بہت شکر گزار ہوں میں نے یسرنا القرآن پڑھ کر پارہ شروع کر دیا ہے چند ماہ بعد ملے مکمل قرآن حکیم پڑھ لیا ہے اور وہ بزرگ اب حفظ بھی کر رہے ہیں رفیق کہتے ہیں مجھے ان کی اس تبدیلی سے جو سکون ملا اس کا بیان ممکن نہیں ہے اور جو جذبہ ملا وہ بیٹھنے نہیں دیتا۔

ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے کہ راقم کے والد محترم جنہوں نے عمر کے چالیسویں سال سے لے کے ساٹھویں سال تک نابینائی کے باوجود کندھے پر سولہ کلو کا پتی کا بیگ اور ہاتھ میں ڈھائی کلو کا شاپر قہوہ وغیرہ سے بھرا ہوا اٹھائے گجرات کے مرکزی بازار میں حلال روزی کی کوشش کی بس یہی نہیں بلکہ ان کے بیگ میں ہمیشہ دعوتی ہینڈ بل اور ندائے خلافت ہوا کرتے تھے زندگی کے آخری سال تک پندرہ لوگوں کو خود ندائے خلافت پہنچایا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ میری تربیت کے لیے یہ واقعہ سنایا کہ بیٹا بازار میں تقریباً چار سال سے خرم نامی حبیب (جو کپڑے کا تاجر تھا) کو دین کی دعوت مسلسل دے رہے تھے وہ محبت سے چائے اور کھانا کا اہتمام بھی کر لیا کرتا تھا مگر میری دعوت پر کان نہیں دھرتا تھا اب روزانہ بازار کے لوگ میری چھڑی کی آواز سے متوجہ ہوتے اور مجھے اس کی دکان میں جاتا دیکھتے تقریباً چار سال بعد ایک شخص نے مجھے بازو سے پکڑا اور اپنی دکان میں لے گیا اتفاق سے اس کا نام بھی خرم تھا اور کام بھی کپڑے ہی کا کرتا تھا اور دوسرے خرم کی دکان کے بالکل سامنے اس کی دکان تھی

مجھے کہنے لگا حافظ صاحب آپ اتنے عرصے سے اس شخص کو دعوت دے رہے ہیں میں روزانہ آپ کو دیکھتا ہوں مگر وہ شخص نہ نماز کے لیے جاتا ہے نا آپ کی باقی باتوں پر عمل کرتا ہے آپ مجھے نصیحتیں کریں میرے پاس بھی بیٹھا کریں الغرض بہت احترام اور محبت سے پیش آیا۔ اتفاق سے سالانہ اجتماع قریب تھا میں نے اس کو دعوت دی وہ ساتھ چلا گیا اور اب اس کی زندگی بالکل بدل گئی ہے اور وہ ملتزم رفیق بھی ہے۔

اسی طرح یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جی کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سترہ سال تک میں نے بازار میں لوگوں کو دین کی دعوت دی ہے مگر صرف چند لوگوں میں تبدیلی آئی لیکن ان کی وفات کے بعد کئی لوگ دین کی طرف راغب ہوئے اور ہر کوئی ابو جی کے ساتھ اپنا انوکھا واقعہ سناتا ہے۔ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے میرے نادر عزیز دوست کا بھی وہ تقریباً دو عشروں سے اپنے رشتے داروں اور دوستوں کو دین کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں کی طرف بلاتے رہے۔ مگر عملاً کوئی آگے نہ بڑھا لیکن ان کی وفات کے بعد سے تمام گھر والے اپنے بچوں سمیت درس قرآن اور جمعہ کی محافل اور تنظیم کے ماہانہ اجتماع تک میں شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کی گھر والی نے بھی بیعت کی سعادت حاصل کر لی ہے۔

ابو جان کی وفات کے بعد ایک ملتزم رفیق نے اپنی تنظیم میں شمولیت کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا کہ میری مین بازار گجرات میں دوپٹوں اور چادروں وغیرہ کی دکان ہے، دکان ذرا تنگ گلی میں ہے اور اس میں خواتین کا بہت زیادہ رش بھی ہوتا ہے تو یہ اقبال صاحب بلا ناغہ میری دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے کچھ نصیحتیں کرتے اور درس قرآن میں شمولیت کی دعوت دیتے تھے۔ (اتنا کہہ کر ملتزم رفیق آبدیدہ ہو گئے) اور میں بالکل توجہ نہیں دیتا تھا بلکہ ان کو ٹالنے کے لیے یہ آواز لگاتا تھا (جی باجی کی لینا جے) یہ سنتے ہی اقبال صاحب کہا کرتے چنگا سیٹھی صاحب گاہک بھگتا آ، باقی کل فیر ان شاء اللہ۔ اور یہ سلسلہ چار پانچ سال تک جاری رہا۔ عجب استقامت تھی اس شخص کی دل ہمیشہ ہی جھنجھوڑتا تھا کہ کیا حرکت کی تم نے ایک نابینا آدمی، رزق حلال کی تلاش میں کندھے پر وزن اُٹھائے اور شدید رش میں دھکے کھاتے ہوئے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن کی بات سے گریز نہ کرنے والے شخص کو جھوٹ بول کر ٹال دیا۔ مگر ایک مرتبہ تو انتہائی شرم آئی اور درس قرآن پر چلا گیا۔ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں قبول کیا ہوا ہے اب میر صاحب تو نہیں ہیں مگر ان کی باتیں بہت یاد آتی ہیں، رُلاتی ہیں۔

واقعات تو بہت سے ہیں مگر ایک آخری واقعہ پر بات کو ختم کرتا ہوں۔ ابو جان ہی کا ذکر کرتے ہوئے ایک نوجوان عالم دین نے جو کہ ملتزم رفیق بھی ہیں یہ بتایا کہ میر صاحب کی دعوت پر تنظیم میں شامل ہوا۔ کہنے لگے اکثر وہ مجھے اپنے پاس بلا لیتے اور اسلام کے احیاء کے حوالے سے جدوجہد پر ابھارتے، اسی طرح درس قرآن کے اختتام پر سوال کیا کرتے تھے کہ ایک دن مجھ سے باتیں کرتے ہوئے غصہ میں آئے اور میرا کندھا پکڑ کر کہنے لگے، کیا آپ جانتے ہیں جو علم آپ نے حاصل کیا ہے اس کے عملی نفاذ کی جدوجہد آپ پر فرض ہے، وگرنہ یہ نہ ہو کہ یہی علم بروز قیامت گلے کا طوق بن جائے اور آخرت کی تباہی کا باعث بن جائے۔ نوجوان عالم دین کہنے لگے مجھ پر ان کی اس بات کا شدید اثر ہوا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس جدوجہد میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حتی المقدور حصہ ڈالوں گا۔ یہ عالم دین بھی اب ملتزم رفیق ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص بادنیٰ تامل اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ وہ آج جو کچھ بھی ہے۔ اس میں بہت سی خیر کی دعوتیں ذریعہ بنیں ہیں۔ چنانچہ میں اور آپ بھی خیر کا باعث ہوں تادم آخر اس کوشش میں مصروف رہنا ہوگا اور اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیجئے گا کہ عالم خلق میں دعوت الی اللہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والا ''تخت اور تختہ'' دونوں ہی آزمائش ہیں جبکہ اصل کامیابی جہنم سے نجات اور جنت میں داخل کر دیا جانا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہماری توجہات کا مرکز و محور اسی کامیابی کو بنائے رکھے۔ (آمین)

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چند فکر انگیز تالیفات

قرآن حکیم کی عظمت و تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ
قرآنِ حکیم اور ہم
اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

عظمت مصطفیٰ ﷺ، مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت نبویؐ کے انقلابی پہلوؤں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ
رسولِ اکرم ﷺ اور ہم
اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم
منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ
مجلد 500 روپے، غیر مجلد 300 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ
سیرتِ خیرُ الانام ﷺ
صفحات 240، قیمت 180 روپے

اخلاص فی العبادت اور اقامت دین کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:
توحیدِ عملی
سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں
اشاعت خاص 225 روپے، اشاعت عام 150 روپے

شرک کی حقیقت، اقسام اور دور حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجئے
حقیقت و اَقسامِ شرک
اشاعت خاص 125 روپے، اشاعت عام 70 روپے

امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن کی جامع ترین سورت
سُورۃُ الحَدید
(اُمُّ المُسَبِّحات) کی مختصر تشریح
اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 150 روپے

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل
خلافت کی حقیقت
اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام
اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 180 روپے

مکتبہ خدام القرآن
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون 3-35869501 (042)
ای میل maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ www.tanzeem.org

پینل گفتگو: دعوت کیا، کیوں اور کیسے؟

مہمان: محترم اعجاز لطیف نائب امیر تنظیم اسلامی، ملک شیر افگن معاون شعبہ تربیت

میزبان: ڈاکٹر عطاء الرحمن عارف

ابتدائی کلمات، ڈاکٹر عطاالرحمن عارف:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

محترم رفقاء گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ہم آپ کو اس مذاکرہ میں خوش آمدید کہتے ہیں جس کا موضوع ہے: دعوت کیا، کیوں اور کیسے؟ جان لیجیے دعوت کا مطلب صرف پہنچا دینا ہی نہیں بلکہ اس کے لیے تو تبلیغ اور ابلاغ کا لفظ استعمال ہوا ہے، نہ ہی دعوت کا مطلب تذکیر، بیان، اپیل یا نشر واشاعت ہے۔ درحقیقت یہ ایک باقاعدہ وصف اور مشن ہے۔ جان لیجیے دعوت اور جہاد کوئی الگ الگ کام نہیں بلکہ ایک ساتھ کرنے والے کام ہیں۔ چونکہ یہ امت کا فریضہ ہے لہٰذا ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے اپنا اپنا کام کرتا رہے۔ بحیثیت رفیق تنظیم ہماری ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہم اقامت دین کی جدوجہد کو مان کر اور جان کر یہاں شامل ہوئے ہیں، لیکن عمومی طور پر اس جانب پیش رفت کا عنصر نمایاں نہیں جو درکار ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ کوئی جھجک ہے، سستی ہے، اضمحلال ہے، ہم اس جانب توجہ نہیں دیتے یا کوئی اور وجہ ہے؟ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے آج میرے ساتھ موجود ہیں تنظیم اسلامی کے نائب امیر جناب اعجاز لطیف اور شعبہ تربیت کے معاون جناب ملک شیر افگن۔

سوال: آپ دعوت کی اہمیت کے حوالے سے رفقاء کی کیا رہنمائی کرنا پسند فرمائیں گے؟

اعجاز لطیف: بہت اچھا سوال ہے۔ سب سے پہلے تو آپ نے خود جو سورۃ یوسف کی آیت نمبر 108 تلاوت کی اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا جو راستہ ہے، اس کے بارے میں ہماری رہنمائی فرمائی:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں' پوری بصیرت کے ساتھ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔''

نبی کریم ﷺ کا راستہ دعوت دین کا راستہ ہے اور آگے مزید اس کو موکد کیا کہ یہ دعوت صرف میں نہیں دے رہا بلکہ ہر وہ شخص جس نے میری اتباع کی ہے وہ بھی دین کی دعوت کا کام کرے۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا سچا امتی بننے کے لیے ناگزیر ہے کہ انسان اس دعوت کے عمل کو اختیار کرے اور رفیق تنظیم کے لیے تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تنظیم میں آیا ہی اس جدوجہد کے لیے ہے۔ پھر جیسے ڈاکٹر صاحب نے ہمیں سمجھایا کہ اہم مضامین قرآن حکیم میں کم از کم دو مرتبہ یا اس سے زیادہ دفعہ ضرور آتے ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے انداز میں سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر 33 میں فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''اس سے اچھی/خوبصورت بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی۔ ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ خود اچھا عمل کیا ﴿وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور کہا کہ میں اللہ کے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں۔''

اس اعتبار سے گویا کہ سچا امتی بننے کے لیے ایک رفیق تنظیم کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح کی ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے جس کے بارے میں فرمایا:

((فلیبلغ الشاھد الغائب)) پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان تک جو موجود نہیں ہیں۔

لہٰذا دعوت دین ہمارے بنیادی فرائض میں سے ایک فریضہ جس کو کہ الا ماشاء اللہ ہم بھول گئے ہوئے ہیں۔ اس کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے اور ہمارے اسلاف کی دعوت کے نتیجے میں ہم تک جیسے دین پہنچا آج یہ ہمارا کام ہے اور ہمارا مشن ہے کہ ہم اس کو آگے بڑھائیں۔

سوال: شیر افگن صاحب دعوت کی اہمیت کے حوالے سے آپ رفقاء کی مزید کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

ملک شیر افگن: جس طرح آپ نے آغاز میں بات کی اور پھر اعجاز لطیف نے دعوت کی اہمیت اور فرضیت کے حوالے سے کچھ بات ہمارے سامنے رکھی، میں اسی کو مزید آگے لے کر چلوں گا۔ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ہمیں دعوت کی اہمیت کو اس اسلوب سے بھی سمجھایا کہ خدمتِ خلق کا ایک تصور یونیورسل ہے اور مورل لاز پر مبنی ہے کہ غریبوں، مسکینوں کی مدد کی جائے، لوگوں کے تن پر کپڑے رکھے جائیں اور بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ شفقت کا سلوک کیا جائے۔ خدمت خلق کا یہ تصور نبی اکرم ﷺ کی نبوت سے پہلے بھی دنیا میں موجود تھا اور آپ ﷺ اس میں اس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے کہ آپ ﷺ اس کی معراج پر پائے گئے مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی پہلی وحی آتی ہے تو اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس عمل کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اس میں مزید اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو خدمت خلق کا وسیع اور قرآنی تصور دیا کہ لوگوں کی دنیا سنوارنے کے ساتھ ساتھ ان کی آخرت کی بھی فکر کی جائے۔ کیونکہ: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝﴾ ''بے شک انسان خسارے میں ہے''

اور بالآخر اس کو ایک ایسے جہاں میں جانا ہے جہاں اس کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ لہٰذا ہم لوگوں کے پیٹ کی بھوک کی فکر ضرور کریں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فکر کریں کہ کہیں لوگ جہنم کی آگ کا ایندھن تو نہیں بن رہے اور جہنم کی آگ تو اپنے پیٹ میں نہیں ڈال رہے جس کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اور میری مثال ایسے ہے کہ جیسے آگ کا الاؤ تیار ہو اور اور اس کے اندر تم اندھوں کی طرح جا رہے ہو اور میں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر تمہیں وہاں سے نکال

رہا ہوں ۔ یہ ہے خدمت خلق کا وہ عظیم قرآنی تصور جو نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ملا اور پھر ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی میرا رشتہ دار، میرا قریبی صلہ رحمی کا مستحق ہے تو اس کی خدمت کا تقاضا اس وقت تک پورا نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کی آخرت کی فکر بھی نہ کروں۔

سوال: کیا دعوت دین کے حوالے سے ہمارے لیے آیۃ البر سے بھی کوئی راہنمائی ملتی ہے، اس پر روشنی ڈالیں؟

ملک شیرافگن: جی آیۃ البر میں بھی اس حوالے سے راہنمائی موجود ہے۔ فرمایا:

﴿وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ﴾ ''اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔''

اس آیت میں اللہ نے خدمت خلق کو ایک درجے پر بلند فرمایا مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک درجے کا مزید اضافہ بھی کیا کہ خدمت خلق میں اس کے علاوہ بھی کچھ ہے اور وہ ہے دعوت دین کا کام ۔ پھر تیسرے درجے میں اقامت دین کا کام بھی خدمت خلق میں آئے گا۔

سوال: دعوت کی اس اصطلاح کو رفقاء سمجھنے میں کیا غلطی کرتے ہیں؟

اعجاز لطیف: بنیادی طور پر ہمارا تصور یہ ہے کہ اگر ہم نے کسی حلقہ قرآنی میں شرکت کی یا کسی دعوتی پروگرام میں شرکت کی یا ساتھیوں کو لے کر گئے تو گویا ہم نے دعوت کا کام سرانجام دے دیا۔ گویا ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کسی خاص موقع پر کرنے کا ایک کام ہے حالانکہ یہ چوبیس گھنٹے کرنے کا کل وقتی کام ہے۔ گویا کہ جو ایک سچا مسلمان ہے اور جو صحیح رفیق تنظیم ہے اس کی شخصیت سے دعوت خود بخود پھوٹتی ہے اور اس کے لیے فطری انداز یہ ہے کہ میں اپنے گھر سے اس کام کا آغاز کروں۔ سب سے پہلے میرے مخاطب وہ لوگ ہوں کو میرے سب سے زیادہ قریب ہیں ۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے اس کام کو چوبیس گھنٹے کی ذمہ داری سمجھتے ہوئے چاہے میں سفر میں ہوں، یا حضر میں ہوں، گھر میں ہوں یا آفس میں ہوں، جہاں جہاں میرے لیے موقع ہے وہاں اپنی ذات سے ایک ایسی اچھی مثال قائم کروں اور ایک ایسا اچھا طرز گفتگو اپناؤں جس سے لوگ میرے ساتھ تعلق رکھنے میں خوشی محسوس کریں، ہمارے ہاں ایک تصور یہ بھی بن چکا ہے کہ جو دعوت دین کا کام کرے وہ بڑا خشک مزاج ہوتا ہے۔ لوگ اس سے بات کرنے سے جھجکتے ہیں ۔ جبکہ ہمیں اپنے اندر وہ تمام خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اُسوہ رسول ﷺ سے ہمیں ملتی ہیں۔ اس کا تناسب بے شک ایک کروڑواں حصہ ہو۔

بہر حال ہمیں پیروی تو انہی کی کرنی ہے اور آپ ﷺ کی شخصیت ایسی تھی لوگ ان کے قریب ہونا، ان سے تعلق رکھنا پسند کرتے تھے ۔ یہ وصف داعی کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس میں اہم فیکٹر ہے تعلق مع اللہ ۔ اللہ کا نبی ﷺ کا تعلق مع اللہ چونکہ بہت مضبوط تھا اور ہمارا بہت کمزور ہے اس لیے ہم اس درجہ کو نہیں پہنچ پاتے اور اپنی دعوت کو اس انداز میں پیش نہیں کر پاتے ۔ ہمارے اپنے اندر جھجک اس قدر رہتی ہے کہ ہم دعوت کو اس درجہ فرض بھی نہیں سمجھتے جس درجہ میں ہم اپنی ملازمت کو فرض سمجھتے ہیں۔ اُس میں تو ہمیں کوئی جھجک اور رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ۔ دراصل درجہ فرضیت کے احساس میں کمی اس کی ایک بنیادی وجہ ہے۔

سوال: شیرافگن صاحب آپ اس موضوع پر مزید کچھ اظہار خیال فرمائیں گے؟

ملک شیرافگن: جب بھی ہم رفقاء سے اس حوالے سے بات کرتے ہیں تو وہ ایک ہی مسئلہ ہمارے سامنے رکھتے ہیں کہ دعوت کے لیے وقت نہیں مل پا رہا، مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم انفرادی دعوت اور اجتماعی دعوت میں فرق سمجھ نہیں پائے بلکہ ہم اس کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ یعنی ہم صرف اجتماعی دعوت کو ہی دعوت سمجھتے ہیں ۔ جیسے کسی اجتماعی پروگرام میں شرکت کرنا وغیرہ ۔ حالانکہ دعوت ایک بالکل نیچرل پراسس ہے اور اللہ تعالیٰ نے شاید یہ ہمارے سافٹ ویئر ہی میں ڈال دیا ہے کہ جس شے کو ہم پسند کرتے ہیں اس کی دعوت دیتے ہیں، ہم نیا موبائل لے لیں تو اس کی دعوت ہر کسی کو دیتے پائے جاتے ہیں کہ بہت اچھا ہے، تم بھی یہی لو۔ نیا کاروبار شروع کر لیں تو اس کی دعوت سب کو دیتے پائے جاتے ہیں ۔ کسی اچھی دکان سے آئس کریم کھالیں تو اس کی دعوت ہر کسی کو دیتے پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمیں کوئی منافع نہیں دے رہے مگر پھر بھی ہم یہ کام کر رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کو دعوت دین کے لیے بھی اپنے اندر اسی طرح کا مزاج پیدا کرنا ہوگا۔ جب یہ مزاج پیدا ہوگا اور ہمارا تعلق مع اللہ مضبوط ہوگا تو ان شاء اللہ خود بخود دعوت ہمارے اندر سے نکلے گی۔

ڈاکٹر عطاء الرحمن عارف: ماشاء اللہ آپ نے ہمیں وہی مثالیں دیں جو ہمیں سیرت سے بھی ملتی ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایمان لائے ہیں اور ان کو کہا گیا کہ آپؓ اپنے قبیلے میں واپس چلے جاؤ اور دعوت دو۔ اسی طرح جنات ایمان لائے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم واپس جائیں گے اور اپنی قوم کو دعوت دیں گے۔ یہی مزاج ہمارے اندر بھی پیدا ہونا چاہیے۔ ماشاء اللہ آپ نے رفقاء کی بہت اچھی رہنمائی فرمائی ہے۔ اب ہم آگے چلتے ہیں۔ تنظیم اسلامی کی دعوت کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک دعوت ایمان ہے، دوسرا دعوت دین اور تیسرا دعوت تنظیم۔

سوال: اعجاز لطیف صاحب آپ فرمائیے کہ دعوت ایمان سے کیا مراد ہے؟

اعجاز لطیف: ہماری دعوت کے پراسس کا ایک فطری انداز ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ "charity begins at home" سی طریقے سے ہماری دعوت کا آغاز قریب ترین اعزا سے ہوتا ہے اور یہ قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہے۔ سورۃ شعرا آیت نمبر 214 میں نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''کہ اپنے قریب ترین اعزا کو خبردار کیجیے۔''

لیکن بدقسمتی سے یہ پہلا پوائنٹ ہی ہمارے ہاں متروک ہے۔ ہم یہ سوغات باہر تو سب کو بانٹنے کے لیے تیار ہیں لیکن جو ہمارے اولین مخاطب ہیں ان تک ہم دعوت نہیں پہنچاتے اور الاقرب فالاقرب کا جو اصول ہے اس کے تحت ہمارا گھر، پڑوسی، رشتہ دار اور ہمارے کولیگز ہماری خیر خواہی کے سب سے پہلے حق دار ہیں۔ اس کے بعد پھر ہمارا اُسرہ ہے جس کا لغوی مطلب بھی خاندان ہی ہے۔ فیملی ایک تو وہ ہے جو گھر کے اندر تھی، دوسری یہ تنظیمی فیملی ہے اور اس کی سطح پر ہمارے حلقہ قرآنی کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس میں ہمارے ان احباب کو لے کر آنا مقصود ہوتا ہے تو

ہمارے زیر دعوت ہیں تا کہ ان کے سامنے قرآن کریم کی دعوت مربوط انداز میں پیش کی جا سکے۔ ایسی مجالس میں احباب کو نہ صرف دعوت دینی چاہیے بلکہ انہیں لے کر آنا اور لے جانا بھی پڑے تو ممکن حد تک یہ سہولت ان کو فراہم کرنی چاہیے۔ تیسری چیز زیر دعوت احباب تک تھوڑا تھوڑا کر کے لٹریچر پہنچانا ہے۔ پھر جو لٹریچر ان کو دیا ہے اس پر ان سے تبادلہ خیال کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو

سوال: شیر افگن صاحب آپ یہ بتائیے کہ دعوت دین اور دعوت تنظیم میں کیا فرق ہے؟

ملک شیرافگن: حلقہ قرآنی کے انعقاد کا بنیادی موضوع ایمان کی بڑھوتری ہے۔ اس کے بعد ہم احباب کو کچھ لٹریچر بھی دیتے ہیں تا کہ ان کا ایمان مزید بڑھے اور پھر اس بات کا جائزہ لیں گے کہ آیا جو لوگ ہمارے حلقہ قرآنی میں آ رہے ہیں وہاں پر ان کا رسپانس کیا ہے؟ اگر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ واقعی وہ کچھ لٹریچر بھی پڑھ چکے ہیں، ایمانی طور پر بھی بڑھ رہے ہیں اور اب ان کے سامنے مزید کوئی تقاضا رکھا جا سکتا ہے تو ہم ایک محفل کا انعقاد کریں گے جسے ہم فہم دین کی نشست کہتے ہیں اور اس میں ہم جو موضوعات رکھیں گے۔ ان میں ایک موضوع اسلام کا جامع تصور ہے یعنی اسلام کا وسیع کینوس ان کے سامنے رکھیں گے، پھر دینی فرائض کا جامع تصور کہ اس وسیع کینوس میں ہماری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ پھر یہ سوال سامنے آئے گا کہ آج کے دور میں دین اسلام غالب کیسے ہوگا؟ اس کے لیے ہم منہج انقلاب نبوی ﷺ کے موضوع پر ان کے سامنے اختصار کے ساتھ بات رکھیں گے کہ آج انقلاب برپا کیسے ہوگا؟ پھر انقلاب برپا کرنے کے لیے کوئی جماعت چاہیے اور اس جماعت کے کیا خدوخال ہوں گے اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ان کے سامنے رکھیں گے۔ اس نشست میں ہم تنظیم کی کوئی بات نہیں کریں گے بلکہ دینی تقاضے ان کے سامنے رکھیں گے۔ اگر وہ مطمئن ہوتے ہیں اور ان کے اطمینان کا ہمیں پتا اس طرح چلے گا کہ ایک تو وہ کچھ سوالات پوچھیں گے جن کا جواب مدرس دے گا، دوسرا جب وہ گھر جائیں گے تو وہ جس کے زیر دعوت ہوں گے وہ ان کو دوبارہ اپروچ کریں گے اور پوچھیں گے کہ پروگرام کیسا رہا؟ دینی تقاضوں کے حوالے سے آپ کا کیا پلان ہے؟ اگر یہ محسوس ہوتا ہے کہ مطمئن نہیں ہیں تو ان کو دوبارہ حلقہ قرآنی کے ساتھ جوڑ دیں گے اور اگر محسوس ہوتا ہے کہ احباب مطمئن ہیں اور آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو پھر ان کے سامنے اگلی نشست میں ہم تنظیم کی دعوت رکھیں گے۔ اگر اس سٹیج پر وہ مطمئن دکھائی نہیں دیتے، خاموش ہیں تو انہیں دوبارہ حلقہ قرآنی سے جوڑ دیا جائے گا۔ لیکن اگر پُرجوش ہیں تو انہیں تنظیم میں باقاعدہ شامل کر لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ ہمارا طریقہ ہے کہ پہلے دعوت ایمان، اس کے بعد دعوت دین اور آخر میں دعوتِ تنظیم۔

سوال: آپ کے جواب سے ایک سوال اور نکلتا ہے کہ وہ شخص جس کو ہم حلقہ قرآنی میں نہیں بلا رہے چاہے میرا کوئی پڑوسی ہے یا کولیگ ہے' کیا وہ بھی ہمارے زیر دعوت ہو سکتا ہے؟

ملک شیرافگن: یہ بہت اہم سوال ہے۔ اصل میں ایک رفیق کے ذمے تو انفرادی دعوت دینا ہے اور حلقہ قرآنی تو ظاہر بات ہے کہ ہر جگہ نہیں کھل سکتا۔ اگر کوئی میرا رشتہ دار، کولیگ حلقہ قرآنی سے بیس کلومیٹر دور ہے تو وہ حلقہ قرآنی میں تو نہیں آئے گا لیکن وہ میرے حبیب کی حیثیت سے میرے زیر دعوت ضرور ہوگا اور پھر میری اس پر انفرادی محنت ہوگی۔ یہ بھی ہمارے ذمے ہے اور اصل یہی دعوت کا نیچرل پراسس ہے۔

سوال: اعجاز لطیف صاحب آپ یہ بتائیے کہ نظام دعوت کے حوالے سے رفقاء میں کن پہلوؤں سے کوتاہیاں پائی جاتی ہیں؟

اعجاز لطیف: بنیادی کمی اور کوتاہی یہ ہے کہ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر تو رفیق حلقہ قرآنی میں آ گیا تو وہ زیر دعوت ہے، اگر نہیں آیا تو نہیں ہے۔ حالانکہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم صرف حلقہ قرآنی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اصل شے انفرادی دعوت ہے، پھر اس تک قرآن کے پیغام کو پہنچانے کے اور بھی مختلف ذرائع ہیں۔ جیسے بیان القرآن کے اس حصے کا لنک اس کو سنڈ کر دیں جس کا درس ہوا تھا۔ جو احباب حلقہ قرآنی میں شریک نہیں ہو پا رہے اس کمی کو اس طریقے سے بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ اس کلپ کو تب ہی سنے گا جب آپ کا اس کے ساتھ خصوصی تعلق ہوگا وگرنہ آپ اس کو کتنی ہی کتابیں دے دیں، کتنے ہی لیکچر بھیج دیں وہ ایک بھی نہیں سنے گا۔ لہٰذا اصل کمی کوتاہی یہ ہے کہ انفرادی دعوت پر توجہ کے بجائے ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ کسی حبیب کو ہم کسی حلقہ قرآنی میں لے آئیں تو گویا دعوت کا فریضہ ہم نے سرانجام دے دیا اور اگر نہ لا سکے تو دعوت نہ دی اور اس میں بھی اگر الاقرب فالاقرب کی ترتیب اگر ملحوظ نہیں ہے تو گویا یہ ایک مزید کوتاہی ہے۔ گویا دعوتِ ایمان پر فوکس کی بجائے چھوٹتے ہی دعوت تنظیم اور یہ سمجھنا کہ اگر میری دعوت سے کوئی بندہ تنظیم میں شامل ہو گیا ہے تو گویا میری دعوت کامیاب ہو گئی اور اگر وہ تنظیم میں شامل نہیں ہوا تو گویا میری دعوت ناکام ہو گئی حالانکہ میری اصل خیر خواہی اس کے ساتھ یہ ہے کہ میں اس کو آتش جہنم سے بچانے کی فکر کروں اور آپ کی سمجھ کے مطابق تو نجات کا راستہ تنظیم میں شمولیت ہے لیکن اگر وہ تنظیم میں شامل ہونے کی بجائے کسی اور دینی کام میں لگ جاتا ہے تب بھی آپ کا اجر تو اللہ کے ہاں محفوظ ہے اور ہمیں چاہیے کہ مزید آگے بڑھ کر نئے افراد پر محنت کریں۔

سوال: شیر افگن صاحب آپ یہ بتائیے کہ اس کوتاہی سے مزید کیا نقصان ہو رہا ہے؟

ملک شیرافگن: جی یہ ہمارا بنیادی مسئلہ ہے جو اعجاز لطیف صاحب نے بتایا ہے۔ دوسرا ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے حلقہ قرآنی کچھ ویران سے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادی دعوت پر ہمارا فوکس نہیں ہے، احباب ہمارے زیر دعوت نہیں ہیں۔ اس وقت انفرادی دعوت رفقاء کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ حلقہ قرآنی تو بنا تھا کہ آپ نے اپنے احباب کو وہاں لے کر آنا تھا مگر لالے آپ کو یہ پڑ گئے کہ آپ خود ہی نہیں پہنچ پا رہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنے نظام دعوت کو صحیح طریقے سے سمجھ لیں تو الاقرب فالاقرب سے آغاز کریں گے اور پھر ہمارے زیر دعوت لوگ ہوں گے اور پھر تقاضا آئے گا کہ بھائی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں ذرا بات آگے کی بھی بیان ہو تو پھر ان کے لیے حلقہ قرآنی میں پہنچنا ہماری اپنی ضرورت بنے گی۔ بجائے اس کے اگر انفرادی دعوت نہیں ہے، احباب زیر دعوت نہیں ہیں تو پھر مسئلہ یہ بنا رہے گا کہ میں خود حلقہ قرآنی میں کیسے پہنچوں اور اسی وجہ سے رفقاء خود حلقہ قرآنی میں نہیں پہنچ پاتے۔ سوال تو یہ اٹھ ہی نہیں رہا کہ احباب کیوں حلقہ قرآنی میں نہیں آ رہے۔ بدقسمتی سے سوال یہ اٹھ رہا ہے کہ ہمارے رفقاء کیوں حلقہ قرآنی میں نہیں آ رہے

اور اگر رفقاء نظام دعوت کو صحیح طرح سمجھیں گے تو رفقاء تو آئیں گے ساتھ احباب کو بھی لے کر آئیں گے۔

سوال: ہمارے ہاں فہم دین کی نشستیں نہیں ہو رہیں، کیا یہ بھی اس کا ہی نتیجہ ہے؟

ملک شیرافگن: جی ہاں یہ ایک پراسس ہے۔ آپ نے انفرادی دعوت نہیں دی تو احباب حلقہ قرآنی میں نہیں پہنچے اور جب احباب ہی نہیں آئے تو فہم دین کی نشست کیسے ہوگی؟ آپ نے ایک SMS کر دیا۔ 500 لوگوں میں سے جس کے دل میں ایمان تھا وہ خود چل کر آ گیا۔ آپ نے ان لوگوں سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھا۔ تعلق ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ان کے ایمان میں بڑھوتری ہو رہی ہے اور اب ان کے لیے فہم دین کی نشست رکھی جائے۔ بجائے اس کے نہ آپ کی انفرادی دعوت ہے اور نہ ہی لوگوں سے تعلق ہے تو فہم دین کے لیے کون تیار ہوگا؟ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب بھی فہم دین کا کوئی تقاضا مقامی تنظیم کی سطح پر آتا ہے تو پھر پکڑ دھکڑ شروع ہو جاتی ہے اور بالکل نئے لوگوں کو مدرس کے سامنے بٹھا دیا جاتا ہے اور مدرس کو تھوڑی دیر ہی میں اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ بیچارے لوگ آج کھانے کی دعوت پر آئے ہیں، ان پر کوئی محنت نہیں ہوئی، ان کا تعارف بھی شاید رفقاء کو حاصل نہیں ہے یا پھر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر دفعہ فہم دین کی نشست میں برکت کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ بنیادی چیز انفرادی دعوت ہے، جب وہ ہوگی تو احباب حلقہ قرآنی میں بھی آئیں گے اور پھر فہم دین نشست بھی ہوگی۔

سوال: اعجاز لطیف صاحب رفقاء کس طرح انفرادی دعوت میں بہتری لا سکتے ہیں؟

اعجاز لطیف: اس کا نقطہ آغاز تعلق مع اللہ ہے۔ جتنا ہمارا تعلق مع اللہ مضبوط ہوگا، جتنے ہم اعمال صالحہ پر کاربند ہوں گے، اسی قدر فطری انداز میں دعوت ہمارے اندر سے پھوٹے گی، لیکن اگر ہمارا تعلق مع اللہ کمزور ہوگا، اگر ہم خود اعمال صالحہ میں کمزور ہوں گے تو یہ ایک حجاب بن جائے گا اور ہم دعوت نہیں دے پائیں گے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الصف) ''اے مسلمانو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟''

انسان بھی اس دعوت کو آگے دے نہیں پاتا جس میں اس کی خود کمی و کوتاہی ہو۔ دوسرا کیا ہمارے حلقہ احباب میں ہمارا تعارف بطور رفیق تنظیم اسلامی ہے؟ یا صرف یہ کہ یہ اچھا نمازی ہے، اچھا خطیب ہے اور آپ کی اپنے نظریہ کے ساتھ کمٹمنٹ کتنی ہے، یہ سب چیزیں لوگ دیکھتے ہیں اور اس کے بعد ہمارے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس میں کافی کمی و کوتاہی ہے۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ آج کی دنیا فکر و نظریات کی دنیا ہے، ہر شخص کا کوئی نہ کوئی نظریہ ہے جبکہ رفقاء فکری طور پر کمزور ہوتے ہیں تو صحیح طرح سے دعوت پیش نہیں کر پاتے۔ یہ ایک بڑی خامی ہے اور اس کمزوری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تنظیم ہمارے لیے جو فکری کورسز کرواتی ہے رفقاء اس میں بھرپور حصہ نہیں لیتے۔ کتنے ہی ہمارے مبتدی رفقاء ایسے ہیں جو ابھی تک مبتدی کورس کے لیے ٹائم نہیں نکال پائے۔ اسی طرح دیگر رفقاء کا معاملہ ہے مگر سب کوتاہیوں میں اہم ترین کوتاہی یہ ہے کہ ہمارا تعلق مع اللہ کمزور ہے اور اس پر فوکس کرنے کی ضرورت ہے۔ تعلق مع اللہ میں اضافہ کے لیے راتوں کا قیام اور قرآن سے ہمارا گہرا تعلق نہایت ضروری چیزیں ہیں۔

سوال: شیرافگن آپ اس حوالے سے مزید کوئی رہنمائی کریں گے؟

ملک شیرافگن: جیسا کہ اعجاز لطیف صاحب نے بات کی کہ سب سے اہم نقطہ تعلق مع اللہ ہے۔ اگر ہمارا ہر رفیق اپنے آپ سے یہ سوال پوچھے کہ وہ تنظیم میں شامل کیوں ہوا؟ کیا میرا مقصد یہی تھا کہ میں دین کے نفاذ کی جدوجہد کروں۔ اس کے لیے تنظیم ایک پلیٹ فارم ہے تو اقامت دین کا وہ فریضہ کیسے ادا ہوگا جب ہم دعوت کا کام ہی نہیں کریں گے؟ پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ میں اسرہ کے اجتماع میں کیوں جاؤں، یہ بھی ایک سوال ہے جو ایک رفیق اپنے سے کرے کہ آیا حاصل کیا ہے؟ اگر رفیق تنظیم دعوت کے میدان میں ہے تو وہ محسوس کرے گا کہ اُسرہ کے اجتماع میں جا کر واقعی اس کی تربیت ہو رہی ہے، وہاں وہ تربیت کی ڈیمانڈ بھی کرے گا اور وہاں لوگ بھی سیریس ہوں گے لیکن اگر وہ دعوت کے میدان میں نہیں تو اسرہ کا اجتماع صرف برکت کے لیے رہ جائے گا اور پورے ہفتے میں کرنے کا کام صرف ڈیڑھ گھنٹہ میں فارغ ہو جائے گا۔ جبکہ اصلاً کام پورا ہفتہ دعوت دینا تھا۔ ہماری دعوت میں جو کمیاں کوتاہیاں ہیں ان کو دور کرنے کے لیے تربیت لینا اس ڈیڑھ گھنٹہ کے اُسرا کا مقصد تھا۔ مگر ہم دعوت کے کام کو چھوڑ بیٹھے، اس لیے اُسرہ کے اجتماع میں بھی کچھ بوریت ہونا شروع ہو جاتی ہے، اگر اُسرا میں نہ جاؤں تو کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ سوال ہر رفیق کو خود سے پوچھنا چاہیے۔ دوسرا اُسرا کے اجتماع کے دو پورشن ہیں۔ ایک انفرادی دعوت کا جائزہ اور دوسرا تربیت۔ انفرادی دعوت کے حوالے سے میں نے ایک رپورٹ مرکز کو دی ہے کہ نوے سے پچانوے فیصد اُسراجات میں انفرادی دعوت کا جائزہ سرے سے لیا ہی نہیں جا رہا۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ اگر انفرادی دعوت کا جائزہ ہی نہیں لیا جا رہا جو کہ ہماری دعوت کا بنیادی جز ہے تو رفقاء کے سامنے وہ اہداف کہاں سے آئیں گے جو ہماری دعوت کو آگے بڑھائیں گے؟ لہٰذا بنیادی چیز یہ ہے کہ اُسراجات میں انفرادی دعوت کا جائزہ لازم قرار دیا جائے۔ آپ رفقاء سے ہر ہفتہ انفرادی دعوت کا پوچھیں، ان کے سامنے ٹارگٹس رکھیں، ان کے سامنے طریقے رکھیں تو ان شاء اللہ، احباب بھی آئیں گے اور ہماری دعوت بھی آگے بڑھے گی۔ دوسرا یہ کہ حلقہ قرآنی کا جائزہ بھی سنجیدگی سے نہیں لیا جا رہا۔ ضروری ہے کہ نقباء حلقہ جات قرآنی کا بامقصد جائزہ لیں، معنی خیز گفتگو کریں اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ تربیتی کورسز میں رفقاء شامل ہوں۔ دعوت کے لیے علم کا حصول ضروری ہے، پھر یہ کہ ہمیں احادیث مبارکہ یاد ہوں، آیات قرآنی ہمیں یاد ہوں اور پھر یہ کہ اپنی دعوت اور فکر یاد ہو۔

سوال: ایک سہ ورقہ بھی دیا جاتا ہے ہماری دعوت کا اس بارے میں بھی بتائیں؟

ملک شیرافگن: جی ہاں، اس کی مشق کا ہمیں کہا جاتا ہے اور اس مشق کو واقعی اگر ہم معنی خیز بنائیں گے، اپنی دعوت کو یاد کریں گے، دعوت کا مزاج پیدا کریں گے اور تنظیم میں آنے کا مقصد ڈھونڈیں گے تو ان شاء اللہ یہ سب مسائل حل ہو جائیں گے۔

اختتامی و دعائیہ کلمات، عطاء الرحمن عارف:

جزاک اللہ خیرا۔ آپ دونوں حضرات کا بہت شکریہ، آج ہماری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہم میں سے ہر شخص داعی ہے، یہ دعوت کا کام صرف کسی مدرس کا نہیں ہے یا ذمہ داران کا نہیں ہے بلکہ ہر شخص نے یہ دعوت کا کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نبویؐ اندازِ تربیت اور ہمارا طرزِ عمل

اعجاز لطیف، نائب امیر تنظیم اسلامی

سورۃ آل عمران کی آیت 159 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾

''(اے نبیؐ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔''

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ﴾

''اور اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے اردگرد سے

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾

''پس آپ ان سے درگزر کریں۔''

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾

''اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔''

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾

''اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔''

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾

''پھر جب آپ فیصلہ کرلیں تو اللہ پر توکل کریں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آپؐ کا مجموعی یا اجمالی اندازِ دعوت و تربیت:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾

''(اے نبیؐ!) بے شک ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر۔''

انذار+تبشیر (ہمیں بھی اس میں توازن balance ضروری ہے)

☆ تربیت کیا ہے:

تعلیم کے ساتھ ساتھ خود اپنے عمل سے بھی سکھانا تربیت ہے۔

اسی طرح قاضی مطیع الرحمن اپنی کتاب ''نبی اکرم ﷺ کا طریق تربیت'' میں تربیت کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ''تربیت صرف ظاہری اعمال ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کے ساتھ باطنی یعنی پوشیدہ اعمال بھی شامل ہوتے ہیں، اس لیے اگر صرف ظاہری اعمال و افعال کی اصلاح کر دی جائے لیکن فکر و نظر اور خواہشات کو نہ سنوارا جائے تو تربیت ناقص و نامکمل ہوگی اس لیے تربیت سے مراد ظاہری و باطنی دونوں اعمال کا صراط مستقیم پر استوار کرنا ہے۔''

☆ منہج انقلاب نبویؐ کا تیسرا مرحلہ ''تربیت'' کیوں ضروری ہے اور کیا ''تربیت'' کے مرحلے سے گزرے بغیر انقلاب ممکن ہے؟

تین پہلوؤں سے تربیت ضروری ہے؟

اسلام کا انقلابی منشور بیان کرتے ہوئے بانی محترمؒ فرماتے ہیں کہ تین پہلوؤں سے تربیت ضروری ہے:

1۔ قربانی دینے کا جذبہ اور تکلیفیں جھیلنے کی استعداد پیدا کرنا۔

2۔ سمع و طاعت (ڈسپلن)۔

3۔ اخلاقی اور روحانی تربیت۔

تینوں پہلوؤں کی مختصراً تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ قربانی دینے کا جذبہ اور تکلیفیں جھیلنے کی استعداد پیدا کرنا:

غلبۂ دین کی مبارک جدوجہد کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لازوال قربانیاں پیش کیں اور ان کی زندگیاں اس کی بہترین مثالیں ہیں، بلاشبہ جہاں آپ ﷺ کا پسینہ گرا وہاں صحابہ کرامؓ نے اپنے خون کے نذرانے پیش کیے۔ غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والے رفقاء کو اپنی قربانیوں کا آغاز وقت، صلاحیت اور مال کی قربانی سے آگے بڑھتے ہوئے اس جذبہ کو اتنا پروان چڑھانا ہے کہ ایک بندہ مؤمن اللہ کے راستے میں اپنی جان قربان کرنے کو اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھے اور شہادت کی آرزو کے ساتھ زندگی گزارے۔ اور تکلیفیں تو اس راستے کا خاصہ ہیں بقول شاعر:

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

اور بقول اقبال:

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اسی طرح

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

تربیت کے تینوں پہلو اہم اور ناگزیر ہیں، جس میں سے پہلا پہلو مختصراً ہمارے سامنے آچکا ہے۔

2۔ سمع و طاعت (ڈسپلن):

کوئی بھی ڈھیلی ڈھالی نظم والی جماعت انقلاب برپا نہیں کرسکتی۔ ہم نے بارہا ڈسپلن کے حوالے سے بانی محترم سے آرمی ڈسپلن کا سنا۔ آرمی ڈسپلن میں NO کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی لیکن بانی محترمؒ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ڈسپلن پیدا کرنے میں آرمی والا، زور زبردستی والا انداز بھی اختیار کیا جائے بلکہ اس کے لیے پورا منتخب نصاب نمبر دو ترتیب دیا۔

اس ڈسپلن کو قائم کرنے میں ایک فطری انداز کی ضرورت ہے جو قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کے انداز تربیت میں ہمارے سامنے آتا ہے سورۃ آل عمران آیت 159 میں اسی کا تذکرہ ہے۔ جس کے پس منظر میں غزوۂ احد اور 70 صحابہؓ کی شہادت موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾

(اے نبیؐ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ﴾

اور اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے اردگرد سے منتشر ہوجاتے۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

تصور کیجیے! سوچنے اور غور و فکر کرنے کا مقام ہے کہ ایک مضبوط ڈسپلن بھی درکار ہے اور یہ ڈسپلن دلی ہمدردی، اخوت و محبت اور رحماء بینھم کے جذبے کے تحت پروان چڑھے اس کا بھی تقاضا ہے اور یہ استثناء اللہ پاک نے اپنے نبی آخر الزماں ﷺ کو بھی عطا نہیں فرمائی کہ اپنے رفقاء یعنی صحابہؓ سے سختی سے پیش آئیں اور آپ ﷺ نے دعوت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بھی یہی اسوہ چھوڑا ہے۔ اور ہم یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ زبردستی ڈسپلن پیدا کرلیں گے۔ ہر وقت فوجی جنرل کی طرح آرڈر دینے کی پوزیشن میں رہتے ہیں جبکہ اس سے پہلے جو کام آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ کی روشنی میں ہمارے سامنے آتے ہیں کہ آپؐ اپنے صحابہؓ کی حاجات اور مسائل حل کرنے میں اپنے وقت کو لگاتے، وقت، مال اور جان کھپانے میں سب سے آگے ہوتے، جہاں پر کام میں رکاوٹ آتی

خود آگے بڑھ کر دور فرماتے۔ ہر ہر موقع اور مقام پر آگے رہ کر اپنا کردار ادا کیا، جس طرح غزوۂ خندق کے موقع پر جب چٹان نہیں ٹوٹ رہی تھی تو اسے آگے بڑھ کر خود توڑا، اور اسی طرح ہر ہر موقع پر سب سے پیش پیش رہے۔ اس سب کے بعد یہ ڈسپلن پیدا ہوا کہ صحابہ کرامؓ اب آپؐ کا اشارہ بھی سمجھنے لگے اور آپ ﷺ سے وہ والہانہ محبت کہ جسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے پیدا ہوگئی اور کسی درجے میں یہی محبت امیر اور مامورین میں آج بھی درکار ہے۔ اور آج بھی خصوصاً ذمہ داران اگر یہ انداز اپنائیں، نصح و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس کام پر لگائیں گے تو ان شاء اللہ رفقاء میں بھی ذمہ داران کی محنت اور تربیت آگے ٹرانسفر ہوگی اور یہی وہ انداز ہے جس کے نتیجے میں ''رحماء بینھم'' بھی پیدا ہوگا اور امیر و مامور کا ایک مضبوط تعلق بھی۔

ایک عملی مسئلہ اور اس کی مثال: ہم یہاں اجتماع سے اپنے گھر والوں (اہلیہ) کے لیے تحفہ کے لیے کوئی کتاب خریدتے ہیں تو عام طور پر مثالی بیوی، جنتی بیوی وغیرہ اور جب جا کر تحفہ دیتے ہیں تو اہلیہ تحفے کا جواب ''مثالی خاوند'' کی صورت میں ہمارے ہاتھ میں تھما دیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر میں کبھی امن اور ڈسپلن قائم نہیں ہو پاتا اور بالکل اسی طرح ہمارے ہاں بھی رفقاء اور ذمہ داران اپنے سے زیادہ دوسروں کی ذمہ داریوں پر نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں حالانکہ ہم سب کو معلوم ہے اللہ کے ہاں میں اپنی ذمہ داریوں کے حوالے جوابدہ ہونا ہے نہ کہ دوسروں کی ذمہ داریوں کے حوالے سے۔ تو جب ہم مامور ہوتے ہیں تو ہمارے سامنے امیر کی شفقت، نرمی اور احساس ذمہ داری جیسی احادیث ہمیں یاد آتی ہیں اور جب ہمیں ذمہ دار بنا دیا جائے یا جہاں ہم ذمہ دار ہوں وہاں وہ احادیث یاد آتی ہیں کہ اگر ایک ناک کٹا حبشی غلام بھی تمہارے اوپر امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت بھی تمہارے لیے لازم ہے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ڈسپلن قائم نہیں ہو پاتا۔

حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ جہاں ہم ذمہ دار کی حیثیت سے ہوں وہاں امیر کی ذمہ داریوں والی احادیث ہمارے سامنے رہیں اور جہاں ہم مامور ہوں وہاں مامور کی ذمہ داریوں والی احادیث ہمارے سامنے رہیں تو ان شاء اللہ سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اگر ہم اپنے عمل کی اصلاح کر لیں تو ان شاء اللہ رب تعالیٰ کے ہاں بھی یہ عمل مقبول ٹھہرے گا اور اس انداز سے وہ فطری ڈسپلن بھی قائم ہوگا جو غلبہ دین کے لیے ضروری ہے۔

اب یہاں ذمہ دار کے لیے مزید کیا راہنمائی آ رہی ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیں:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾

پس آپ ان سے درگزر کریں۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾

اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔

ان سے جو بھی خطا ہو جائے اس پر ان کے لیے استغفار کریں۔ یہ کیفیت تب پیدا ہوگی جب ہر طرح کی نفرت و کدورت سے دل بالکل پاک و صاف ہوگا۔ رفیق اور مامورین کے لیے دلی محبت، مودت اور حقیقی خیر خواہی موجود ہوگی۔ اس مثالی ڈسپلن کی مثال اسلام کے علاوہ کہیں اور موجود نہیں۔

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾

پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اللہ پر توکل کریں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران:159)

''یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اب آیئے تیسرے پہلو پر!

3۔ اخلاقی اور روحانی تربیت:

تربیت کا یہ پہلو پہلے دونوں پہلوؤں کو بھی مزید تقویت دے گا اور غلبہ دین کرنے والوں کے لیے ایک لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ انقلابی اور نبوی ﷺ تزکیہ و تربیت کا انداز وہی اپنانا ہوگا جو نبی اکرم ﷺ سے ہمیں ملتا ہے کہ راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے ہونا اور دن کو دعوت و تحریک سے جڑے رہنا۔ آج ہمیں تعلق مع اللہ اور روحانی ترقی کے لیے نماز پنجگانہ کے ساتھ ساتھ رات کا قیام، قرآن حکیم کے ساتھ اور دوسری طرف دن کے اوقات میں زیادہ سے زیادہ اوقات اقامت دین کی دعوت اور تیسری طرف سمع و طاعت فی المعروف کے بندھن میں بندھ کر یہ کام کرنا ہے۔

جب تک ایسے لوگوں کی معتدبہ تعداد جو تربیت کے ان کٹھن مراحل سے گزر نہیں جاتے غلبہ دین ممکن نہیں اور اگر کسی درجے میں فرض کر لیں کہ غلبہ دین ہو گیا یا انقلاب آ گیا اور غلبہ دین کرنے والوں کے ہاتھ اقتدار بھی آ گیا جبکہ ابھی مطلوبہ سطح کی اخلاقی اور روحانی تربیت ہوئی نہیں، ابھی تک دنیا اور اس کی محبتیں دل میں ڈیرہ لگائے ہوئی ہیں، اور یہ بات بھی ہمارے مشاہدے میں کہ جہاں جتنی طاقت ہوتی ہے وہاں کرپشن کے چانس بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ تو نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکلے گا کہ اللہ کا دین بدنام ہوگا۔

اور اللہ پاک کبھی بھی اپنے دین کو بدنام نہیں ہونے دے گا۔ اس لیے بعض اوقات تربیت کا یہ اہم پہلو انقلابیوں کے ہاں دب جاتا ہے۔

اسی طرح سیرت و کردار کے حوالے سے تربیت کا اصل امتحان تو اقدام کے بعد شروع ہوگا کہ عین دورانِ جنگ میں بھی جب حضرت علی ؓ کافر کو گرا کر بس آخری وار کرنا ہی چاہتے تھے کہ اُس کافر نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا تو تربیت نبوی ﷺ کا اثر دیکھیے کہ آپؓ نے اس کافر کو چھوڑ دیا تو کافر حیران و پریشان ہوا کہ میں نے تو یہ حرکت اس لیے کی کہ آپ مجھے جلدی سے زیادہ اذیت دیئے بغیر مار دیں گے، لیکن آپؓ نے الٹا مجھے چھوڑ دیا تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ اس لیے چھوڑ دیا کہ پہلے میں نے تمہیں قتل کرنا تھا تو خالص اللہ کی رضا کے لیے تھا اب اس میں میرا غصہ بھی شامل ہو گیا لہٰذا مجھے یہ بات گوارا نہیں کہ میرا کوئی عمل بھی ایسا ہو جو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہ ہو۔

لہٰذا غلبہ دین کی اس پاکیزہ جدوجہد یا خالص اسلامی انقلاب کے لیے اللہ پاک کو ایسے ہی اپنے پاکیزہ بندے درکار ہیں جن کا ظاہر اور باطن ممکنہ حد تک ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک و صاف ہو جائے، کیونکہ جب یہ پاکیزہ کردار کے حامل افراد اقدام اور تصادم کے مراحل میں داخل ہوں گے تو اللہ پاک فرشتوں کو مدد کے لیے ایسے ہی پاکیزہ افراد پر نازل فرمائیں گے کہ جس کے نتیجے کے طور پر اسلام کو غلبہ اور سربلندی حاصل ہوگی، اور اسی کو اقبال نے فضائے بدر سے بھی تعبیر کیا ہے کہ

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

تربیت و تزکیہ کے حوالے سے ہمارا ایک پورا تربیتی نظام ہے، ہر سطح کے رفقاء کے لیے مختلف تربیتی کورسز ترتیب دیئے گئے ہیں جن سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں اور کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے اور ہمیں کمر ہمت کس کر اپنا تن من دھن لگانے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین

❀❀❀

منہج انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

ڈاکٹر طاہر خان خاکوانی

انقلاب

انقلاب کے لغوی معنی: بدل جانا۔ تبدیل ہوجانا

انقلاب کے اصطلاحی معنی: انسانی زندگی کے اجتماعی نظام یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست میں سے کسی ایک میں بنیادی تبدیلی کا پیدا ہوجانا انقلاب کہلاتا ہے۔

چند تمہیدی باتیں

1- پاکستان کی بقاء اور استحکام صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ دنیا کے عام ممالک کو اپنے استحکام اور بقاء کے لیے جو سہارے دستیاب ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ ہمارے پاس واحد سہارا ہمارا دین ہے۔

2- [ہمارے تجزیہ کے مطابق] پاکستان میں اسلام کا واحد راستہ انقلاب کا راستہ ہے۔ یہاں اسلام انتخابی طریق سے نہیں آسکتا۔

3- چونکہ پاکستان کی غالب آبادی سُنّی ہے لہٰذا انقلاب کے نتیجے میں جو بھی نظام قائم ہوگا وہ سُنّی تصور خلافت پر مبنی ہوگا نہ کہ شیعی تصور امامت معصومہ پر۔

4- پاکستان میں انقلاب اگر آئے گا تو اس نہج پر آئے گا جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول کے مطابق:

''اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح نہیں ہوسکے گی مگر صرف اس طریق پر کہ جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔''

5- آخری دور میں اسلام کے عالمی غلبہ کی جو خبر نبی اکرم ﷺ نے دی تھی ظاہر بات ہے کہ اس کا عمل کسی ایک خطہ ارضی سے شروع ہوگا۔ ہماری دعا [اور کوشش] ہے کہ یہ سعادت اس مملکت خداداد پاکستان کو نصیب ہو۔

انسانی زندگی کے چھ گوشے

انسانی زندگی کے دو بنیادی حصے ہیں:

(i) انفرادی زندگی (ii) اجتماعی زندگی

انفرادی زندگی کے تین گوشے:

(i) عقیدہ (ii) عبادات

(iii) سماجی رسوم

اجتماعی زندگی کے تین گوشے:

(i) معاشرتی نظام (ii) معاشی نظام

(iii) سیاسی نظام

اجتماعی زندگی کے کم از کم کسی ایک گوشے میں بنیادی تبدیلی کا پیدا ہونا انقلاب کہلاتا ہے۔

انقلابی عمل کے لوازم و مراحل

ہر انقلابی عمل کو چھ مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔

(1) انقلابی نظریہ اور اس کی اشاعت: انقلاب کسی انقلابی نظریے کی بنیاد پر آتا ہے۔ اس کا نقطہ آغاز یہ ہے کہ لوگوں کو اس نظریہ کی افادیت کا دلائل سے قائل بنایا جائے۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ انقلابی نظریہ اجتماعی زندگی کے تین گوشوں میں سے کسی ایک سے لازماً متعلق ہو۔ اور یہ نظریہ پہلے سے قائم نظام کے اس گوشے کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔

(2) انقلابی جماعت کی تشکیل اور تنظیم: جو لوگ اس انقلابی نظریہ کو ذہناً قبول کرلیں ان کو منظم کیا جائے۔ اس طرح ایک انقلابی جماعت وجود میں آئے گی۔ اس کی درجہ بندی انقلابی نظریہ سے وابستگی کی گہرائی کی بنیاد پر ہوگی۔ علاوہ ازیں اس جماعت کا ڈسپلن مضبوط ہو کہ جو حکم ملے، مانا جائے۔

(3) تربیت: انقلابی کارکنوں کی تربیت انقلابی نظریہ کے مطابق ہوگی۔ اگر انقلاب خالص مادی اقدار والا ہے تو ان کارکنوں کی روحانی تربیت کرنا بے کار ہے۔ لیکن اگر وہ انقلابی نظریہ زندگی کے روحانی اور اخلاقی پہلوؤں کو بھی محیط ہو تو تربیت میں ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوگا۔

ابتدائی تین مرحلوں کا حاصل:

ابتدائی تین مرحلوں کا حاصل یہ ہے کہ تربیت یافتہ کارکنوں پر مشتمل ایک ایسی انقلابی جماعت وجود میں آئے گی جسے اگر معاشرہ کی طرف سے مناسب پذیرائی ملی اور اس کے کارکنوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تو وہ بتدریج ایک طاقت اور قوت بن جائے گی۔

تصادم:

انقلابی عمل کے اگلے تین مرحلوں کا جامع عنوان ہے ''تصادم''۔ اگر نظام بدلنا ہے تو پہلے سے قائم نظام کے ساتھ جن لوگوں کے مفاد وابستہ ہیں اُن سے تصادم ضرور ہوگا۔

انقلابی جماعت جب کہتی ہے کہ قائم نظام غلط ہے ہم اس کو بدل کر رہیں گے تو ایک اعتبار سے تصادم کا آغاز ہوجاتا ہے۔ یوں تصادم کا آغاز فی الحقیقت انقلابی جماعت ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کے تین مدارج ہے:

(i) صبر محض (ii) اقدام (iii) مسلح تصادم۔

(4) تشدُّد کے جواب میں صبر محض (Passive Resistance) تصادم کے عمل میں پہلا درجہ صبر محض کا ہے۔ اور یہ وہ مرحلہ ہے جو اول روز ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تصادم کا یہ مرحلہ دراصل انقلاب کے ابتدائی تین مرحلوں یعنی دعوت، تنظیم اور تربیت کے ساتھ چلتا ہے۔ چنانچہ جب انقلابی جماعت اس رائج الوقت نظام کو غلط و فاسد قرار دیتی ہے تو لوگ انقلابی فکر اور نظریہ کو چٹکیوں میں اڑائیں گے۔ مذاق اڑائیں گے۔ کہیں گے کہ ان کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ لیکن اگر انقلابی جماعت کا قائد اور اس کے ساتھی اس وار کو جھیل جاتے ہیں اور نظریہ کی نشر و اشاعت کا عمل جاری رہتا ہے اور لوگ اس کو قبول کر کے جماعت میں شامل ہو رہے ہیں تو مخالفین تشدد پر اتر آئیں گے۔ لیکن انقلاب کے ابتدائی تین مرحلوں کے دوران اس حوالے سے انقلابی جماعت کا لائحہ عمل یہ ہوگا کہ ماریں کھاؤ لیکن نہ اپنے مؤقف سے ہٹو اور نہ ہی ہاتھ اٹھاؤ۔ اس لیے کہ اگر اس جماعت نے بھی بدلے میں ہاتھ اٹھالیا تو قائم نظام کو اس جماعت کے کچلنے کا قانونی و اخلاقی جواز مل جائے گا۔ اس عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہنے سے مخالفین ایذا رسانی اور مار پیٹ سے تو باز نہیں آئیں گے لیکن اس کا یہ نتیجہ ضرور نکلے گا کہ اس معاشرے کی خاموش اکثریت اس جماعت کے حق میں ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ قدرتی طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ہیجان پیدا کردے گا کہ آخر یہ لوگ کیوں پیٹے جا رہے ہیں۔ آخر ان کا جرم کیا ہے۔ کیا

انہوں نے چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے یا کسی غیر اخلاقی حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کے قلوب واذہان میں اس انقلابی جماعت کے لیے ہمدردی کے جذبات پروان چڑھیں گے۔

یہ چیز انقلابی نظریہ کے پھیلنے میں اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔

(5) اقدام اور چیلنج (Active Resistance)

جب طاقت اتنی فراہم ہو جائے کہ وہ انقلابی جماعت یہ محسوس کرے کہ اب ہم برملا اس غلط نظام کو چیلنج کر سکتے اور باطل نظام کے ساتھ ٹکر لے سکتے ہیں تو یہ صبر محض اگلے مرحلے یعنی اقدام میں داخل ہو جاتا ہے۔ یعنی باطل نظام کے علمبرداروں کو چیلنج کرنے کی خاطر اس نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑو۔

(6) مسلح تصادم (Armed Comfliet) اس چیلنج کے نتیجہ میں چھٹا اور آخری مرحلہ شروع ہوگا اور وہ ہے مسلح تصادم۔ جب تک انقلابی جماعت اقدام نہیں کر رہی تھی یعنی ماریں کھا رہی تھی اور ہاتھ نہیں اٹھا رہی تھی۔ تب تک اور بات تھی۔ اب اگر اس جماعت نے بھی ہاتھ اٹھا لیا تو وہ نظام اس پر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہوگا۔ اگر پہلے پانچ مراحل صحیح طور پر طے ہوئے ہیں تو غالب امکان ہے کہ وہ انقلابی جماعت کامیاب ہو جائے گی ورنہ اسے کچل کر رکھ دیا جائے گا۔

پہلے چار مراحل کا حاصل: ایک تربیت یافتہ اور منظم انقلابی جماعت کی تیاری

آخری دو مراحل کا حاصل: تخت یا تختہ

انقلاب کی توسیع: ایک نظریاتی انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جغرافیائی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوتا۔ اگر انقلابی نظریے میں جان ہے تو وہ دوسرے ممالک میں اپنی جڑیں قائم کرے گا جس کے نتیجے میں انقلاب کی توسیع ہوگی۔

کامل انقلاب کی واحد مثال محمد رسول اللہ ﷺ کا برپا کردہ انقلاب: تاریخ انسانی میں کامل انقلاب صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ نے برپا کیا۔ باقی دنیا کے مشہور انقلاب جزوی تھے۔

فرانس کے انقلاب سے صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا اور روسی انقلاب سے اصلا معاشی ڈھانچہ تبدیل ہوا اور سیاسی ڈھانچے میں ایک جزوی تبدیلی آئی کہ صرف ایک پارٹی کے نمائندوں پر مشتمل حکومت کا نظام قائم ہو گیا۔ البتہ انسانی زندگی کے چھ کے چھ گوشوں یعنی عقائد، عبادات اور سماجی رسوم کے علاوہ معاشرتی نظام، معاشی و اقتصادی نظام اور سیاسی نظام کو تاریخ انسانی میں انسانوں کی جدوجہد سے صرف ایک مرتبہ بدلا گیا ہے اور یہ بدلا حضرت محمد عربی ﷺ نے۔

علاوہ ازیں انقلابی عمل کے تمام مراحل آپؐ کی زندگی میں طے ہوئے۔ اس کی کوئی اور مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

دنیا کے دو مشہور انقلابات یعنی انقلاب فرانس اور انقلاب روس کا حال یہ تھا ایک طرف تو یہ انقلابات جزوی تھے اور دوسری طرف قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان انقلابات کا فکر دینے والے کوئی اور تھے اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور۔

سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے انقلاب نبوی ﷺ کے مراحل

(1) انقلاب نبوی ﷺ کا اساسی نظریہ: توحید

دنیا کے دونوں معروف انقلابات کے لیے نظریہ فکر اور فلسفہ انسانی ذہنوں کی پیداوار تھا۔ جبکہ انقلاب نبوی کا نظریہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تھا۔ یہ نظریہ ہے توحید جس کی بنیاد ہے قرآن حکیم۔ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا مرکز ومحور اور منبع وسرچشمہ قرآن مجید تھا۔

حضور ﷺ کی دعوت کو جہاں تک نظریہ کہا جائے گا تو اس انقلابی نظریہ کے تین حصے شمار کیے جائیں گے۔

(i) توحید (ii) رسالت

(iii) معاد یا آخرت

ان میں سے جہاں تک نظام کا تعلق ہے وہ دراصل نظریہ توحید پر ایمان لانے سے ہے۔ آخرت پر ایمان انسان کی سیرت وکردار کی تربیت اور صحیح تعمیر کی بنیاد ہے۔ ایمان بالآخرت انسان کے جذبہ عمل کو متحرک کرنے کا نہایت مؤثر عامل ہے۔ جبکہ رسالت پر ایمان کا تعلق قانون سے ہے۔ اس کے بغیر ہم نہ توحید کو صحیح معنوں میں جان سکتے ہیں اور نہ آخرت کو مان سکتے ہیں۔

انقلاب نبوی کے اساسی نظریہ توحید کے انقلابی پہلو کے لحاظ سے تین چیزیں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

(i) انسانی حاکمیت کی بجائے خلافت: توحید کا تقاضا ہے کہ حاکمیت وحکم صرف اللہ کے لیے ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ (یوسف:40)

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾ (اعراف:54)

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ (اعراف: 158)

گویا ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

انقلابِ فرانس کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ حاکمیت کسی مخصوص فرد یا کسی شاہی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت حاکمیت کا تعلق عوام کے ساتھ ہے۔ نبوی انقلاب کے نظریہ توحید کے مطابق اللہ کے سوا کوئی حاکم مطلق نہیں۔ انسانیت کے لیے تو خلافت ہے اور وہ بھی عوامی خلافت۔ یعنی عوام الناس اپنی رائے سے جس کو چاہیں خلیفہ چن لیں۔

(ii) ملکیت کی بجائے امانت: کائنات کی ہر شے کا مالک حقیقی بھی اللہ ہی ہے۔ انسان کی ملکیت مطلقہ کی نفی کامل ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (آل عمران:189)

﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (بقرۃ:116)

اور شیخ سعدیؒ نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے ؎

ایں امانت چند روزہ نزد ماست

انسان کے لیے ملکیت کی بجائے امانت کا تصور ہے جو کچھ انسان کے پاس ہے اس کے حصول پر بھی قدغن ہو گی۔ ناجائز طریقے سے حاصل کرے گا تو ضبط کر لیا جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ لیکن انسان جو جائز طریقے سے حاصل کرے گا وہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس میں تصرف بھی جائز طریقے سے کیا جا سکے گا۔

(iii) کامل معاشرتی مساوات: توحید کا تیسرا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کوئی اونچا نہیں کوئی نیچا نہیں۔ کوئی اعلیٰ نہیں کوئی ادنیٰ نہیں۔ یہ برہمن اور شودر کی تقسیم، یہ رنگ ونسل کی بنیاد پر افتخار، انسان کے اپنے ذہن کے تراشے ہوئے فلسفے ہیں۔

معاشرتی سطح پر توحید کا انقلابی تصور یہ ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ (النساء:1)

”اے نوع انسان! تقویٰ اختیار کرو اپنے اس

مالک اور پروردگار کا جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس (ایک جان) سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر اس جوڑے سے (دنیا میں) کثیر تعداد میں مرد وعورت کو پھیلا دیا‘‘۔

فضیلت اگر کوئی ہے تو وہ خدا ترسی اور اعلیٰ سیرت و کردار کی بناء پر ہے جو انسان خود اپنے یقین اور عمل کی بنیاد پر حاصل کرتا ہے۔

(2) اسلامی انقلابی تنظیم کی اساس اور اس کا مزاج:

انقلابی جدوجہد کا دوسرا مرحلہ انقلابی جماعت کی تشکیل اور تنظیم کا ہے۔ (یعنی جو لوگ انقلابی دعوت کے سیاسی نظریہ کو ذہناً تسلیم کرلیں اور اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے داعی کے گرد جمع ہو جائیں انھیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کرنا۔) ایسی جماعت کے وجود میں آنے کی اساسات کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں ہمیں دو چیزیں نظر آتی ہیں۔

اصل بنیاد تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نبی اور رسول ہیں۔ جس نے یہ مان لیا گویا وہ ہمہ تن ہمہ وجوہ مطیع ہو گیا۔ دنیا میں اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ یہ معاملہ ہے رسول اور اُمتی کا۔ لیکن چونکہ یہ کام آئندہ بھی ہونا تھا اب تا قیام قیامت کسی نبی اور رسول کو نہیں آنا تھا اس لیے نبی اکرم ﷺ نے بیعت کی سنّت جاری فرما دی۔ یعنی حضور ﷺ کے بعد اقامت دین کی جدوجہد کے لیے جو تنظیم بنے وہ بیعت سمع وطاعت کے اصول پر بنے گی۔

(3) انقلابی تربیت کا نبوی منہاج: انقلابی جماعت کی تشکیل و تنظیم کے بعد اگلا مرحلہ افراد کی تربیت کا ہے۔ اسلامی انقلاب کے لیے کارکنوں کی روحانی، اخلاقی، علمی و عملی تربیت ضروری ہے۔ کارکنوں میں ((ھم رھبانٌ باللیلِ وَفرسانٌ بالنّھارِ)) کا نقشہ ہو۔ تربیت وتزکیہ کے لیے خانقاہی نظام انقلابی کارکن پیدا نہیں کرسکتا۔

تزکیہ و تربیت کے لیے جناب محمد ﷺ نے جو نظام اختیار فرمایا اس کے تین عناصر ہیں:

(i) انقلابی نظریہ کا استحضار اور انقلابی نظریہ کی آبیاری بذریعہ تلاوت قرآن (سمجھ کر)۔

(ii) مخالفت ومجاہدہ نفس بذریعہ عبادات

(iii) مخالفت وایذا پر صبرواستقامت

(4) صبر محض اور عدم تشدد (Passive Resistance)

﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾

کوئی انقلابی تنظیم کسی معاشرے میں اپنی دعوت کا آغاز کرتی ہے تو یہ اس کی طرف سے تصادم کا آغاز ہوتا ہے۔ جب رائج الوقت نظام کو غلط کہہ دیا جائے اور اس عزم کا اظہار کر دیا جائے کہ اس کو بدلنا ہوگا تو تصادم کا آغاز تو کر دیا گیا۔ اس لیے کہ جو طبقات باطل نظام سے ناجائز مفادات لے رہے ہیں وہ تو چاہتے ہیں کہ یہ نظام قائم رہے۔

ابھی چونکہ انقلابی جماعت کو کچھ مہلت درکار ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی دعوت کی توسیع کرسکے۔ پھر اس کے کارکنان کی تربیت بھی ہو۔ لہٰذا پہلا مرحلہ ہوگا صبر محض۔

مخالفین کے استہزاء، مخالفت اور تشدد کو برداشت کیا جائے اور اپنی مدافعت میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

صبر محض کا یہ مرحلہ جناب محمد ﷺ کی سیرت وعہد میں مسلسل بارہ برس تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں تشدد کی وجہ سے نہ تو کسی نے کمزوری دکھائی نہ اپنے موقف سے ہٹا اور نہ ہی کسی نے جواباً ہاتھ اٹھایا۔

صبر محض کی حکمت یہ ہے کہ اگر آغاز میں کچھ لوگ تشدد کا جواب تشدد سے دینے لگیں تو غلط نظام کے علمبرداروں کو پورا اخلاقی جواز مل جائے گا کہ انقلاب کے حامیوں کو کچل کر رکھ دیں۔ صبر محض کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رفتہ رفتہ عامۃ النّاس کی ہمدردیاں اس انقلابی جماعت کے ساتھ ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر ان لوگوں کو کیوں مارا اور ستایا جا رہا ہے جبکہ یہ ہمارے معاشرے کے شریف بے ضرر اور بہتر افراد میں سے ہیں۔

اس صبر محض کے دو مراحل ہیں۔ پہلے مرحلے میں داعی کو ذہنی کوفت اور اذیت پہنچائی جاتی ہے، اسے پاگل اور دیوانہ کہا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنی دعوت کو جاری رکھے تو پھر جسمانی تشدد کا حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے تین سال تو حضور ﷺ بدترین ذہنی اور اعصابی تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔ اس کے بعد اہل ایمان پر جسمانی تشدد شروع ہو گیا اور یہ پورے مکی دور میں جاری رہا۔

(5) اقدام اور چیلنج (Active Resistance)

انقلابی جدوجہد کا یہ مرحلہ انتہائی اہم ہے کہ صبر محض کی پالیسی ترک کر کے اقدام کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ اگر راست اقدام کا فیصلہ قبل از وقت ہو جائے گا تو دنیوی اعتبار سے انقلاب ناکام ہو جائے گا۔ اگر تعداد معتد بہ نہ ہو اور تربیت خام رہ گئی ہے تو دنیوی ناکامی کا سامنا ہوگا۔

انبیاء و رسل کے معاملے میں یہ فیصلہ اللہ کی طرف سے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے سے ہوتا ہے یا اگر رسول اجتہادی طور پر کوئی قدم اٹھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصویب اور اصلاح ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر وحی کے ذریعے نہ تصویب ہوئی ہو نہ اصلاح تو گویا رسول کے اس اجتہادی فیصلہ کو اللہ کی طرف سے خاموش توثیق حاصل ہوگئی۔ اب قیادت کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے کسی اُمتی کو کرنی ہے اور کوئی اُمتی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ اب تجدید دین اور احیائے اسلام کی جو تحریک بھی برپا ہوگی اس کے ہر مرحلہ کا معاملہ اجتہادی ہوگا اور اس اجتہاد میں خطا کا امکان رہے گا۔

سیرت مطہرہ میں نظام باطل کو چیلنج کرنے کا مرحلہ ہجرت سے متصلاً بعد آتا ہے۔ اس مرحلہ کے لیے قرآن مجید میں سورۃ الحج میں فرمایا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀39﴾

’’حکم ہوا اُن لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہوا اور اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔‘‘

یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے قتال کا اذن عام تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا مدینہ منورہ میں 12 ربیع الاوّل 1ھ کو ورودِ مسعود ہوا۔ چھ ماہ تک حضور ﷺ نے نہ کوئی جوابی کارروائی فرمائی نہ مکہ کی طرف کوئی اقدام کیا۔ البتہ استحکام کے لیے چھ ماہ کے عرصہ میں کیے جانے والے تین اقدامات بہت اہم ہیں۔

(i) مسجد نبوی کی تعمیر: یہ پہلا فوری اقدام اقامت صلوٰۃ سے متعلق تھا۔

(ii) مواخات: مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنا کر مہاجرین کو مدینہ کی آبادی میں مدغم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں انصار نے مہاجرین کے لیے اپنے گھر اور دوکانیں تقسیم کر دیں۔

(iii) یہودی قبائل سے معاہدے: یہودیوں کے مدینے میں تین قبیلے آباد تھے۔ آپ نے انھیں معاہدوں میں جکڑ لیا۔ ان سے یہ طے پایا کہ

(ا) وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔

(ب) ان کے تمام شہری حقوق محفوظ رہیں گے۔

(ج) اگر کبھی مدینے پر کسی طرف سے حملہ ہوا تو وہ مسلمانوں کے حلیف کی حیثیت سے ان کا ساتھ دیں گے۔

یہودی اس معاہدے میں ایسے بندھ گئے کہ وہ کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلے میں سامنے نہ آ سکے۔

راست اقدام کا مرحلہ: مدینہ میں ابتدائی چھ ماہ میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد غزوۂ بدر سے پہلے حضور ﷺ نے آٹھ فوجی مہمات مکہ والوں کے خلاف مدینہ کی اطراف میں روانہ فرمائیں۔ ان میں سے چار میں حضور ﷺ خود شریک ہوئے۔

مکہ کے خلاف اس اقدام کے دو مقصد تھے۔

(i) مکہ کی معاشی ناکہ بندی جس کے لیے چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے اہل مکہ کے تجارتی راستوں کو مخدوش بنا دیا گیا۔

(ii) قریش کی سیاسی ناکہ بندی جس کے لیے حضور ﷺ نے متعدد سفر کر کے علاقے کے مختلف قبیلوں سے معاہدے کیے۔ اول تو ان کو اپنا حلیف بنایا ورنہ کم از کم انھیں غیر جانبدار ضرور بنا لیا۔

(6) مسلح تصادم کا آغاز: نخلہ کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں مکے والوں کا ایک شخص قتل ہو گیا۔ دوسری طرف ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو مسلمانوں کی طرف سے روکنے کی کوشش ہوئی تھی۔ اس نے ہنگامی پیغام مکے پہنچا دیا کہ مجھے محمد ﷺ کے ساتھیوں سے خطرہ ہے۔

ان پیغاموں کی وجہ سے مکہ سے ایک ہزار کا لشکر روانہ ہوا۔ مقابلے میں مسلمانوں کا بے سروسامان لشکر 313 کی تعداد میں آیا۔

غزوہ بدر کی صورت میں معرکہ ہوا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ بعد ازاں غزوۂ اُحد اور احزاب ہوا۔ 6ھ میں صلح حدیبیہ پھر فتح مکہ وغیرہ۔

آخر کار اللہ کا دین خطہ ملک عرب میں غالب ہو گیا۔ جنگ موتہ اور جنگ تبوک سے اس انقلاب کے ساتویں مرحلہ کا آغاز ہو گیا۔ جو دور خلافت راشدہ میں بھی جاری رہا۔

مسلح تصادم کے اعتبار سے دور نبوی اور موجودہ حالات میں دو اہم فرق

(i) نبی اکرم ﷺ کی بعثت ایک خالص کافرانہ و مشرکانہ معاشرے میں ہوئی جبکہ ہمیں ایک مسلمان معاشرے میں کام کرنا ہے۔ جہاں اسلامی نظام قائم نہیں ہے لیکن اس کے حکمران مسلمان ہی تسلیم کیے جاتے ہیں۔

(ii) حکومت کے پاس تمام وسائل اور پوری قوت موجود ہوتی ہے لہٰذا اس دور میں حکومت اور عوام کے مابین مسلح تصادم قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف

فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج ہو سکتا ہے مگر بڑی کڑی شرائط کے ساتھ:

(i) حکمرانوں کی طرف سے کھلم کھلا اور برملا کسی ایسی بات کا ظہور ہو رہا ہو جو خلاف اسلام ہے۔

(ii) اس نظام کو بدلنے کے لیے اتنی قوت موجود ہو کہ یقین ہو کہ تبدیلی ہو جائے گی۔

موجودہ دور میں بالفعل یہ صورت پیدا ہو چکی ہے کہ اب خروج و بغاوت کا امکان ہی موجود نہیں اس لیے کہ آج کل ہر حکومت کے پاس لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ اور منظم فوجیں موجود ہوتی ہیں جبکہ عوام ہر طرح سے نہتے ہیں لہٰذا آج کے دور میں غلبہ دین کے لیے مسلح تحریک کے بجائے غیر مسلح مطالباتی اور احتجاجی تحریک ہی موزوں ہے۔

ریاست اور حکومت کا فرق: انسانی فکر اور انسانی تمدن کا جو ارتقاء ہوا ہے اس کے تحت اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ریاست ایک بالکل علیحدہ شے ہے اور حکومت صرف ریاست کے معاملات کو چلانے والا ایک انتظامی ادارہ ہے۔

کسی ملک کے رہنے والے دستوری اور آئینی طور پر درحقیقت ریاست کے وفادار ہوتے ہیں، حکومت کے نہیں۔ حکومت کی اطاعت تو وہ کرتے ہیں لیکن ان کی وفاداری ریاست کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ آج پوری دنیا میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا حق اس ملک کے رہنے والوں کو حاصل ہے۔

اس دور میں اسلامی انقلاب کے لیے اقدام کا واحد راستہ:

اس دور میں اسلامی انقلاب کے لیے اقدام کا واحد راستہ یہ ہے کہ انقلابی تنظیم حکومت کے مقابلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو جائے اور علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکرات ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ اب یہ کام ہماری لاشوں پر ہوگا۔ پھر اس پر ڈٹ جائے اور ہر نوع کی مالی و جانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے۔ البتہ اس اقدام میں اس بات کا لحاظ ضروری ہوگا کہ انہی منکرات کو چیلنج کیا جائے جو تمام مسالک کے ماننے والوں کے نزدیک مسلم ہوں۔

مثال کے طور پر سود، بے حیائی، عریانی، عورت کی بطور اشتہار تشہیر۔ موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ ان مظاہروں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں Picketing یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا اور احتجاجی طور پر حکومت کو یا عوام کو کسی کام سے روکنے کے لیے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔

لیکن اس اقدام میں اپنی طرف سے ہاتھ بالکل نہیں اٹھانا۔ کسی قسم کی توڑ پھوڑ نہیں کرنی ہے۔ اگر حکومت تشدد کرتی ہے تو برداشت کریں گے۔ جوابی کارروائی نہیں کریں گے، حکومت گولیاں چلائے گی تو اپنے سینے پیش کریں گے۔ مسلمان ملک کی مسلمان پولیس انقلابی کارکنوں پر کب تک لاٹھیاں برسائے گی۔ مسلمان فوج کب تک گولیاں چلا کر ان نہتے مظاہرین کو مارے گی۔

اس طریق کار کے تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں

(i) مظاہروں کے نتیجے میں حکومت پسپائی اختیار کرے یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کر دے۔ اسی طرح اگر ایک ایک کر کے منکرات ختم ہو جائیں تو اسلامی انقلاب آ جائے گا۔

(ii) حکومت وقت اپنی بقا اور اپنی اَنا اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے طاقت سے اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے۔ گولیاں چلائے۔ اگر تحریک کے کارکن صبر و استقامت کا ثبوت دیں تو بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی اور حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوگی۔

(iii) ایک تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس صورت میں جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دیں وہ اللہ کے ہاں اجر عظیم پائیں گے۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ ہم نظام کو بالفعل بدلنے کے مکلف اور ذمہ دار نہیں۔ البتہ اس کو بدلنے کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔

❀❀❀

400 سالہ تجدیدی مساعی اور تنظیم اسلامی کا محل و مقام

خورشید انجم

ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے سر مبارک پر ختم نبوت اور تکمیل رسالت کا تاج رکھا ہوا ہے۔ ''اِنَّ فَضلَهٗ کَانَ عَلَیکَ کَبِیرًا'' کے مصداق آپ ﷺ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے۔ اور اسی نسبت سے آپ ﷺ کی امت بھی فضل عظیم کی وارث قرار دی گئی۔ تاہم حسب ذیل آیات کی رو سے آپ ﷺ کی رسالت کے فرائض کی عالمی سطح پر اور تا قیام قیامت مجموعی طور پر ادائیگی اس امت کے سپرد کی گئی۔

(1) ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط﴾ (آل عمران:110)

''تم بہتر امت ہو۔ تمہیں عوام الناس کے لیے نکالا گیا ہے تا کہ تم انہیں اچھی باتوں کی تلقین کرو اور برے کاموں سے روکو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

(2) ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط هُوَ اجْتَبٰكُمْ ---- لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ج﴾ (الحج:78)

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جتنا اور جیسا کہ اس کے لیے جہاد کا حق ہے۔ اللہ نے تمہیں منتخب فرما لیا ہے------ تا کہ رسولؐ تم پر حجت قائم کریں اور تم پوری نوعِ انسانی پر حجت قائم کرو!''

(3) ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط﴾ (البقرہ:143)

''اور اس نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہی اس لیے ہے کہ تم تمام لوگوں پر حجت قائم کرو اور ہمارے رسولؐ تم پر حجت قائم کریں۔''

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا نبیوں والا کام اس امت کے سپرد کیا گیا۔

اس فریضہ رسالت کی ادائیگی امت محمد ﷺ پر مجموعی طور پر ڈالی گئی۔ سورۃ الجمعۃ کی آیت کی رو سے یہ امت دو حصوں میں تقسیم ہے یعنی ایک 'امی' عرب جن کو اس لحاظ سے باقی تمام مسلمانوں پر فضیلت حاصل تھی کہ خود رسول اکرم ﷺ کی بعثت انہی میں سے ہوئی تھی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ قرآن مجید ان ہی کی زبان میں اترا تھا اور وہ اسے خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ دوسرے ''آخرین'' یعنی باقی تمام غیر عرب مسلمان۔ پھر ان آخرین میں سے بھی ایک اضافی فضیلت برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو حاصل ہے۔ جس کو سمجھنا ہمیں یعنی پاکستان کے مسلمانوں کے لیے سمجھنا بہت ضروری ہے۔

ختم نبوت سے پیدا شدہ خلا اور اُس کی تلافی کا اہتمام

نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نبوت و رسالت کے درجۂ کمال کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جانے سے جو خلا پیدا ہوا اُسے حکمتِ خداوندی نے اس طرح پُر فرمایا کہ:

اوّلاً ------ ''الھدیٰ'' یعنی قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کو کامل فرما دیا، یا یوں کہہ لیں کہ:

﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ﴾ (سورۃ الصف:8)

''اللہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے گا۔''

کے مصداق نورِ ہدایت کا اِتمام فرما دیا اور پھر اُس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُونَ ۝﴾ (الحجر)

''ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں۔''

گویا اب کسی نئی وحی یا نئے نبی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ صرف قرآنِ حکیم کی دعوت و اشاعت اور تبلیغ و تعلیم کا کام رہ گیا جس کی ذمہ داری تا قیامِ قیامت اُمت محمد ﷺ کے سپرد کر دی گئی۔ اور اس کے لیے آنحضور ﷺ کی ترغیب و تشویق کی انتہا کا مظہر تو آپؐ کا یہ قول مبارک ہے کہ:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ))

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔''

------ اور تاکید کی انتہا آپؐ کے اِس فرمان سے ظاہر ہے کہ: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً))

''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت ہو۔''

اور دوسری جانب ایک اضافی تدبیر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت یہ اختیار فرمائی کہ ایسے عظیم مجددین کا سلسلہ جاری فرما دیا جو من گھڑت خیالات و عقائد اور نئی ایجاد شدہ بدعات و رسومات کا قلع قمع کر کے دین حق کی اصل تعلیمات کو از سر نو نکھار کر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاتے رہیں، تا کہ ہدایتِ ربانی کے روئے انور پر جمع ہو جانے والا گرد و غبار وقتاً فوقتاً صاف ہوتا رہے اور وہ خلقِ خدا کے سامنے اپنی اصل شان کے ساتھ جلوہ آرا ہوتا رہے اور اس طرح ہدایت کے طالب اور حق کے متلاشی لوگوں کو دین کی حقیقی تعلیمات اور فلاح و سعادتِ دارین سے ہمکنار کرنے والے ''صراط مستقیم'' تک رسائی میں دقت نہ ہو------! اور تیسری جانب یہ ضمانت بھی دے دی کہ دنیا اہل حق سے کبھی بالکل خالی نہ ہوگی اور اُمت محمدؐ یہ میں ہمیشہ کم از کم ایک گروہ یا جماعت لازماً حق پر قائم رہے گی۔ ان دونوں کے باہمی ربط سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہو گا کہ ہر دَور کے مجدد کی تعلیمات کی مساعی سے ایک جماعت اہل حق کی وجود میں آتی رہے گی جو لگ بھگ ایک صدی تک خلقِ خدا کی صحیح راستے کی جانب رہنمائی کرتی رہے گی ------ تا آنکہ اس عرصے میں وہ خود زوال سے دو چار ہو کر ایک ''فرقہ'' بن جائے اور پھر اللہ کسی اور صاحب دعوت و عزیمت کو اصلاح و تجدید کی توفیق عطا فرما کر کھڑا کر دے۔ واللہ اعلم

کارِ تجدید اور سلسلہ مجددین کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کے جو الفاظ مبارکہ سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ یہ ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِأْتَةِ عَامٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا))

''اللہ تعالیٰ اِس اُمت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے لوگوں کو اُٹھاتا رہے گا جو اُس کے لیے اُس کے دین کو از سر نو تازہ کرتے رہیں گے۔''

اس حدیث کی شرح و تفسیر میں دو امور پر علمائے اُمت کا تقریباً اجماع ہے: ایک یہ کہ سو سال سے مراد لازماً یہی

مدت نہیں ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف وقتاً فوقتاً کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بطورِ محاورہ استعمال ہوئے ہیں۔ اور دوسرے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک صدی میں کوئی ایک ہی مجدّد ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں متعدد اصحابِ ہمت وعزیمت اِس کام کے کرنے والے موجود ہوں ـــــ بایں ہمہ حدیث نبویؐ کے ظاہری الفاظ کی رعایت سے ہر صدی ہجری کے ضمن میں کسی ایسی اہم ترین اور عظیم ترین شخصیت کی تعیین کی کوششیں بھی عموماً ہوتی رہی ہیں جسے اُس صدی کا مجدّد قرار دیا جاسکے۔ پورے ہزار برس تک مجدّدین کا یہ سلسلہ عالم عرب میں ہی جاری رہا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حسن بصریؒ سے امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ تک سات سو برس کے عرصے میں تمام علماء، فقہاء، محدثین اور مجدّدین امت عالم عرب ہی میں پیدا ہوتے رہے لیکن جب بنوعباس کی عیاشیاں اپنی انتہا تک پہنچ گئیں۔ جہاد سے منہ موڑ لیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ فضیلت واپس لے لی اور فتنہ تاتار کی صورت میں ان پر اللہ کے عذاب کا کوڑا برسا جس سے وسطی اور مغربی ایشیا شورش و ہلاکت اور تباہی اور بربادی کا شکار ہوئے اور اسلام کی علمی اور روحانی وراثت تدریجاً سرزمین ہند کو منتقل ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ گیارھویں صدی ہجری سے یہ کارِ تجدید و اصلاح بالکلیہ برصغیر پاک و ہند میں مرتکز ہوگیا ہے۔

''الف ثانی'' کی تجدیدی مساعی

مغلِ اعظم شہنشاہ جلال الدین اکبر نے کچھ اپنی سیاسی اور حکومتی مصلحتوں کی بناء پر اور کچھ ابوالفضل اور فیضی جیسے سرکاری علماء اور درباری دانشوروں کے سکھانے پڑھانے پر یہ دعویٰ کر دیا کہ محمد عربی ﷺ کا دین صرف ایک ہزار سال کے لیے تھا، لہٰذا اب اُس کی مدت ختم ہوچکی ہے اور ''الف ثانی'' یعنی دوسرے ہزار سال کے لیے ایک نیا دین درکار ہے۔ اب کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو نئے سرے سے دین کا اجراء کرے اور وہ بادشاہ کی ذات ہے۔ چنانچہ اُس نے ''دین الٰہی'' کے نام سے وہ نیا مذہب ایجاد بھی کر لیا اس میں کواکب پرستی اور عقیدہ تناسخ کے علاوہ ہر اس چیز کو شامل کیا گیا جو انسانی نفس کے لیے باعث تسکین ہو یا اکبر کی سیاسی زندگی کے لیے مفید ہو اور اُسے حکومت کی قوت و اختیار کے بل پر پھیلانا اور رائج کرنا بھی شروع کر دیا۔ بادشاہ صرف گنگا کا پانی پیتا۔ سود، شراب اور خنزیر کے گوشت کو حلال کر لیا گیا۔ ہندو اثرات کے تحت گوشت خوری نا پسندیدہ ٹھہری۔ بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کیا جانے لگا السلام علیکم کی جگہ اللہ اکبر یعنی اکبر اللہ ہے جبکہ وعلیکم السلام کی جگہ جل جلالہ کہا جاتا۔ اس پر عام قاعدۂ کلیہ کے تحت رحمت الٰہی جوش میں آئی جلال فاروقیؒ، شیخ احمد سرہندیؒ کی صورت میں ظاہر ہوا (واضح رہے کہ حضرت مجدّدؒ حضرت عمر ؓ کی اولاد سے تھے۔) جنہوں نے ''دین الٰہی'' کے فتنے کا قلع قمع کر دیا اور اصل دین محمدیؐ کی از سرِ نو تجدید کا کارنامہ سرانجام دیا۔ بہرحال مجدد الف ثانیؒ نے تین مختلف محاذوں یعنی سنت کی ترویج اور بدعات کے رد، اہل تصوف کی اصلاح اور بادشاہ، سلطنت اور حکومتی ارکان کو راہ راست پر لانے کا کام کیا۔ چنانچہ پورے عالم اسلام میں وہ معروف ہی اپنے اصل نام سے زیادہ ''امام ربانی مجدد الف ثانی'' کے لقب سے ہوگئے۔

اقبال کے الفاظ میں ؎

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

گیارھویں صدی ہجری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ ایک دوسری اہم صاحب ہمت و عزیمت شخصیت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ہے۔ اس صدی کے دوران پورے عالم اسلام میں ان دونوں کی ٹکر کی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔

بارھویں صدی ہجری میں تصنیفی، تدریسی اور سیاسی خدمات سرانجام دینے والی شخصیت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نہایت جامع شخصیت کے حامل تھے۔ اور دورِ صحابہؓ کے بعد کی پوری اسلامی تاریخ میں ان کی سی جامعیت کبریٰ کی حامل شخصیت نظر نہیں آتی۔ تجدید دین اور احیائے اسلام کے بلند و بالا مقاصد کے لیے ان کی مساعی ہمہ جہتی تھیں۔ لیکن ان کی اہم ترین خدمت یہ تھی کہ انہوں نے اسلام کا رشتہ قرآن حکیم کے ساتھ از سرِ نو قائم کرنے کے طویل عمل کا آغاز فرما دیا۔ چنانچہ شاہ صاحب تفسیر و حدیث، اصول و فقہ کے ساتھ ساتھ تاریخ و ادب، منطق و فلسفہ اور تصوف و سلوک میں بھی درک کامل رکھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ کو جدید عمرانیات کا موجد اوّل قرار دیا جاسکتا ہے اور اس ضمن میں انہوں نے علامہ ابن خلدون کے برعکس جنہوں نے سیاست اور حکومت کے معاملات و مسائل کو زیادہ پیش نظر رکھا تھا، عہدِ حاضر کے تقاضوں کی مناسبت سے اصل توجہ ''فلسفۂ ارتفاقات'' کے عنوان کے تحت معاشیات و اقتصادیات پر مرتکز کی۔ اور فکر اسلامی کی تدوین نو کا جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا اسی کا نتیجہ ہے کہ یہاں دین اور رجالِ دین کی ساکھ از سرِ نو مضبوط ہوگئی۔

تیرھویں صدی ہجری میں صنم خانہ ہند سے پھر ایک ایسی عظیم شخصیت اُبھری جس کی کوئی نظیر دورِ صحابہؓ کے بعد نہیں ملتی۔ ہماری مراد مجاہدِ کبیر اور شہیدِ عظیم سید احمد بریلویؒ سے ہے جنہوں نے سرزمین ہند میں پہلی بار خالص نبویؐ نہج پر تحریک جہاد برپا کی اور دورِ صحابہؓ کا عکس پیش کر دیا۔ بقول مولانا مودودی ''برصغیر ہند و پاک کی پوری تاریخ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جنگیں تو بہت ہوئی ہیں لیکن حقیقی جہاد تو صرف ایک ہی بار ہوا ہے۔ اور یہ جہاد وہی تھا جو سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں نے کیا۔ جس کا مقصدِ واحد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ نہ تھا'' کارِ تجدید کے منطقی تسلسل کے مظہر کے طور پر اُنہیں تمام تر تعاون اور سرپرستی خانوادۂ ولی اللہ ہی سے حاصل ہوئی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دو فرزندانِ گرامی شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے اُن کی ''تربیت'' کی، اور شاہ صاحب کے پوتے شاہ اسماعیلؒ شہید نے اپنی تمام تر خاندانی وجاہت اور مسلمہ علمی برتری کے باوجود اُن کے رفیق کار اور دست راست بننے کی سعادت حاصل کی اور آخر دم تک اُن کا ساتھ بلاتشبیہہ اُسی شان سے دیا جس شان سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔

چودھویں صدی ہجری کے دوران جتنی عظیم شخصیات برعظیم پاک و ہند میں پیدا ہوئی ہیں پوری دنیا میں ان کے ہم پلہ کوئی شخصیت نہیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی (ایران) مالک بن نبی (انڈونیشیا) اور دوسرے دانشوروں نے تسلیم کیا ہے کہ مسلم امہ کا چوٹی کا ذہانت کا مرکز ثقل جنوبی ایشیا منتقل ہو چکا ہے۔ چونکہ عالم اسلام میں مغربی سامراج کے باعث تعلیم و تربیت کے دو مستقل دھارے جدا جدا بہہ نکلے تھے لہٰذا ان دونوں نے اپنا اپنا حق علیحدہ علیحدہ ادا کیا۔ چنانچہ

دینی تعلیم و تربیت کے قدیم نظام سے فیضیاب ہونے والوں میں سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ایسی عظیم اور جامع شخصیت بھی یہیں پیدا ہوئی جن کا اصل مشن (پان اسلام ازم) اور ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی حاصل کر کے اس کی قوت سے عالم اسلام کی حکومتوں کا وفاق بنانا اور اس کے بعد پوری دنیا میں حکومت الٰہیہ کو عام کرنا تھا۔ جو ریشمی رومال تحریک کے بانی تھے اور جنہیں انگریزوں نے تحریک کے افشا ہونے پر گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا تھا۔ وہاں سے رہائی پا کر واپس آئے تو ان کے تاثرات تھے: ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی و دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں۔ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا۔ دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے'' اس کے بعد کالجوں اور یونیورسٹیوں کے جدید نظام تعلیم سے مستفید ہونے والوں میں سے علامہ اقبال مرحوم جیسا نابغہ وقت اور رُومی ثانی بھی اسی خاک سے اُٹھا۔ جس کی فلک شگاف پُرتاثیر شاعری نے قافلہ ملی کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک قومی جذبہ بیدار کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ پر علامہ اقبال کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری سے بیسویں صدی کے آغاز میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور تجدید و احیائے دین کے لیے مسلمانوں کو تیار کیا۔ وہ آخری دم تک یہی صدا لگاتے رہے

بیا تا کارِ ایں امت بسا زیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر
دِلے در سینہ ملا گداز یم

''آؤ کہ ہم مل کر امت کے معاملے کو سنواریں۔ زندگی کا جوا مردانہ انداز میں کھیلیں۔ آؤ کہ ہم شہر کی جامع مسجد میں اس انداز سے نالہ و فریاد کریں کہ ملا کے سینے کے اندر دل میں گداز پیدا کر سکیں۔''

پھر علماء کے حلقے سے ایک جانب مولانا الیاس جیسی عظیم شخصیت، ایک مخنی سا انسان اٹھا۔ جس نے دلی کی بنگلہ والی مسجد سے ''تبلیغ'' کے نام سے چند افراد کو جمع کر کے ایک معمولی سی حرکت کا آغاز کیا اور آج ہمیں پوری دنیا کے کینوس پر بے شمار تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور حرکت نظر آتی ہے۔ اس تحریک نے راسخ العقیدہ اسلام کی جڑوں کی آبیاری کے ساتھ ساتھ توجہات کو حقائق ایمانی پر مرتکز کر دیا اور جس کے زیر اثر کم از کم ایسے لوگ دین سے ضرور قریب ہو رہے ہیں جن کے اذہان فکری و نظری اشکالات سے خالی ہوتے ہیں اور جن کے قلوب میں نیکی کا ایک جذبہ خواہ وہ خوابیدہ (dormant) ہی کیوں نہ ہو۔ موجود ضرور ہوتا ہے اور جس کے زیر اثر عوامی سطح پر تجدید ایمان کی ایک زبردست تحریک برپا ہو گئی ہے۔ دوسری جانب مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسی عبقری شخصیت، جو 1912ء میں حکومت الٰہیہ کا نعرہ لے کر کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بیعت کی بنیاد پر حزب اللہ قائم کی اور تیسری جانب مولانا مودودیؒ جیسا عظیم مصنف۔ جنھوں نے اگرچہ فکری رہنمائی بہت حد تک اقبال سے حاصل کی اور ایک جذبہ تحرک ابوالکلام آزادؒ سے بھی حاصل کیا لیکن پھر اس فکر اور جذبے کو جس خاص سلیس انداز سے پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کی تفسیر تفہیم القرآن اور ان کی کتابوں کے تراجم ہو چکے ہیں جس کے ذریعے اسلام کی انقلابی دعوت کا ایک بڑے پیمانے پر پڑھے لکھے نوجوانوں میں تعارف ہوا اور ان کی برپا کردہ تحریک جماعت اسلامی جس سے پورا عالم اسلام پر متاثر ہوا، یہاں تک کہ عالمِ عرب کی عظیم تحریک ''الاخوان المسلمون'' کو بھی فکری غذا فراہم کی۔ اس وقت جماعت اسلامی اور ''الاخوان المسلمون'' کے زیر اثر متحرک اور فعال لوگوں کی ایک کثیر تعداد پورے عالم ارضی میں پھیلی ہوئی ہے اسی طرح خلافت کا خاتمہ ترکی میں ہوا لیکن ایک زوردار تحریکِ خلافت برصغیر پاک و ہند میں برپا ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک دوسرے لحاظ سے بھی بہت بڑا فضل ہوا ہے۔ ہماری مراد تحریک رجوع الی القرآن سے ہے۔ یہ تحریک جس شدت و قوت، گہرائی و گیرائی، وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ گزشتہ دو سو سال سے برصغیر پاک و ہند میں چل رہی ہے۔ اس کی کوئی نظیر عالمِ اسلام میں نہیں ملتی۔ اس تحریک کی ابتدا شاہ ولی اللہ کی تصنیف ''الفوز الکبیر'' اور فارسی ترجمہ قرآن سے ہوئی۔ بعد میں ان کے صاحبزادوں شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین کے اردو تراجم سے اس تحریک کو تقویت حاصل ہوئی۔ سرسید احمد خان اور اور غلام احمد قادیانی نے قرآن مجید کی جو غلط و گمراہ کن تاویلات کی تھیں علماء نے ان کا رد کیا۔ جس سے اس تحریک کو ایک مزید جذبہ اور اضافی قوت حاصل ہوئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کے ذریعے ایک ''دھماکہ'' کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد تو گویا ایک سلسلہ چل نکلا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ''بیان القرآن'' شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی تفسیر اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی۔ اور اس کے بعد مختلف مکاتب فکر کے کئی علماء کے تراجم اور تفاسیر کی صورت میں پیش قدمی ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال جیسے ''رومی ثانی'' نے نہایت پُرشکوہ، جدید تعبیرات اور دل آویز انداز میں اپنی شاعری کے ذریعے قرآن مجید کے مضامین کو بیان کیا۔ بعد ازاں ایک طرف مولانا ابوالکلام آزاد کے معنوی جانشین مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انتہائی آسان اور سلیس انداز میں عام پڑھے لکھے طبقے کے لیے ''تفہیم القرآن'' لکھی۔ جس نے بے شمار اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں سمیت عام مسلمانوں کو غلبہ اسلام کی عملی جدوجہد کے لیے آمادہ عمل کیا۔ تو دوسری طرف امام حمید الدین فراہی کے جانشین مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن کی صورت میں بہت سے علم کے پیاموں کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ ایک دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ اور وہ ہے عوامی دروسِ قرآن کی تحریک۔

پاکستان وجود میں آجانے کے بعد تقریباً تمام دینی اکابرین اپنے ہم نواؤں اور متوسلین سمیت پاکستان منتقل ہو گئے۔ پھر یہ کہ مسلمانانِ برعظم پاک و ہند نے نعرہ لگایا تھا کہ ہمیں پاکستان اس لیے چاہیے تاکہ ہم یہاں شریعت کو نافذ کریں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں موقع فراہم کیا اور مخلص اور امت کا درد رکھنے والے رہنماؤں کا مرکز ثقل بھی پاکستان منتقل کر دیا۔

جماعت اسلامی کے سیاست میں کود جانے کے باعث جو اکابرین جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے۔ ان میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ ان کے دلوں میں اتر جانے والے اور عمل پر آمادہ کرنے والے دروس قرآنی شہرت اختیار کرتے چلے گئے۔ مولانا احمد علی

لاہوریؒ کے عوامی دروسِ قرآنی کے بعد عوامی دروس کی داغ بیل ڈالنے والے ڈاکٹر اسرار احمدؒ ہی تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے بڑے زور شور سے رجوع الی القرآن کی دعوت دی۔ اور پھر قرآن اکیڈمی قائم کر کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو تربیت دے کر دروسِ قرآنی کے لیے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو خود بھی درس دے اور مزید نوجوان بھی تیار کرے اور اس فکر قرآنی کو عام کر سکیں۔ اس طرح ایک طرف تو پڑھے لکھے طبقے کو ان کی اپنی زبان میں قرآن سمجھایا اور دوسری طرف عوامی دروس قرآن کی بنیاد رکھ دی جس کا خواب شیخ الہند نے دیکھا تھا۔ اسی تحریک رجوع القرآن کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے رمضان میں تراویح کے دوران دورہ ترجمہ قرآن کی بنیاد بھی ڈالی۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم، عربی زبان کی تحصیل اور عوامی دروس قرآن کے لیے مدرسین بنانے کے لیے ادارے قائم کر دیے۔ آج پورے پاکستان میں رمضان کے مہینے میں 200 سے زائد مقامات پر دورہ ترجمہ قرآن اور خلاصہ مضامین قرآن ہوتے ہیں اور بے شمار جگہوں پر درس قرآن کی محفلیں ہو رہی ہیں۔ بہرحال، برصغیر کے طول وعرض میں رجوع الی القرآن کی اس تحریک نے جو اثرات پیدا کیے، ہر شخص جانتا ہے کہ اب حالات نے اُن کو سمیٹ کر ارضِ پاکستان میں مرکوز کر دیا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کے ساتھ ذوق وشوق اور شغل وشغف کے علاوہ ''دعوت رجوع الی القرآن، کا جو غلغلہ اِس وقت سرزمین پاکستان میں ہے وہ اور کہیں موجود نہیں ہے۔

یہاں ایک بار پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ بھی محض اتفاق کا کرشمہ ہے؟ یا کیا قرآن حکیم ایسی ہی غیر موثر شے ہے کہ رجوع الی القرآن کی یہ عظیم مساعی بے نتیجہ اور لاحاصل رہیں؟

فکری تسلسل کے طور پر قرآن مجید کے ایک منتخب نصاب کے ذریعے ایک طرف دین کے تصور کو اجاگر کیا کہ دین اسلام صرف عقیدہ، عبادات یا رسومات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اس کی اصل حیثیت ایک کامل نظریہ حیات اور مکمل نظام زندگی کی ہے۔ اور دوسری طرف ایک مومن کے ذمہ فرائضِ دینی کے تصور کو بھی واضح کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک مومن بندے سے آخرت میں کامیابی کے لیے کیا تقاضا کرتا ہے مزید براں مولانا مودودی اور ابوالکلام آزاد نے جو اقامت دین کا تصور دیا تھا۔ نہ صرف اس کو واضح کیا بلکہ اس کے تمام مراحل سیرت نبویؐ سے اخذ کر کے بیان بھی کیے۔ خاص طور پر آج کے دور میں باطل سے کشاکش کس طریقے سے ہوگی۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے دورِ حاضر میں غلبہ واقامت دین کی جدوجہد کو ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا ان کا فرمانا تھا کہ یہ ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ ورنہ وہ قول وفعل کے تضاد کا مرتکب ہو رہا ہے۔ دعویٰ تو کرتا ہے اللہ پر ایمان کا مگر اللہ کے دین کو پامال ہوتا ہوا دیکھتا ہے۔ لیکن وہ اپنا آرام، اپنی آسائش، اپنا کاروبار، اپنا کیریئر، چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ تمام مسلمانوں پر ہر حال میں فرض ہے خواہ وہ کہیں اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، یا خواہ کہیں ایک بھی مسلمان ہو تو یہ جدوجہد اس پر بھی فرض ہے۔ آج سے 110 سال قبل 1912ء میں جو نعرہ حکومت الٰہیہ کا مولانا ابوالکلام آزادؒ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ مولانا مودودی نے اس فکر کو آگے بڑھایا لیکن جماعت اسلامی کے سیاست میں کود جانے کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوا اس کو محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے پُر کیا۔ ایک اصولی اسلامی جماعت اس کام کے لیے تنظیم اسلامی کی داغ بیل ڈالی جو سمع وطاعت فی المعروف کی بیعت کی بنیاد پر قائم ہے اور اس طرح ایک مردہ سنت کا احیاء کیا۔ اس تنظیم کی حیثیت درخت کے تنے کی طرح ہے جبکہ تحریک رجوع الی القرآن اس درخت کی جڑوں کی حیثیت رکھتی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ ❁ کیا ''الف ثانی'' کے مجدد اوّل شیخ سرہندی کا برصغیر پاک وہند سے متعلق ہونا ایک بالکل اتفاقی امر ہے، جن کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا جال نہ صرف پورے برصغیر بلکہ افغانستان اور ترکی تک پھیلا ہوا ہے اور جس کے زیر اثر خود روس کے زیر تسلط مسلم علاقوں میں ہر قبا ہونے کو اس کے جنوں سے تار تار کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے؟

❁ کیا جملہ علوم اسلامی کے مجدد اعظم اور تمدن انسانی کے دورِ جدید کے فاتح شاہ ولی اللہ کا ہندی نژاد ہونا بھی بالکل اتفاقی امر ہے؟ ان کی عظیم تصانیف کے ذریعے ''تجدید علم اسلامی'' کے جو وسیع اور ہمہ گیر اثرات پیدا ہوئے اور جس سے برصغیر کے مختلف سلاسل اور مسالک سے منسلک علماء متاثر ہوئے۔ کیا وہ تمام اثرات رائیگاں جانے والے ہیں؟

❁ کیا تحریک شہیدین سے وابستہ سینکڑوں مجاہدین کے مقدس خون کا ارضِ پاکستان میں جذب ہونا بالکل بے نتیجہ رہے گا؟

❁ کیا جماعت شیخ الہندؒ کی سو سالہ خدمات کوئی عظیم اور نتیجہ پیدا نہ کر سکیں گی؟

❁ کیا مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن سمیت بے شمار تصانیف اور بیانات کوئی رنگ نہیں لائیں گے؟

❁ کیا مصورِ پاکستان ''علامہ اقبال'' کا سرزمینِ لاہور میں طویل قیام اور ابدی استراحت بالکل بے معنی رہے گی؟ جس نے ''کافر ہندی'' اور ''برہمن زادہ'' ہونے کے باوجود ''فلسفہ خودی'' کے عنوان سے ''روحِ ایمان'' کی بھی ازسرِ نو صحیح ترین تعبیر کی اور معاشرت ومعیشت، سیاست و ریاست کے ضمن میں اسلام کی ہدایات اور تعلیمات کو وقت کے تقاضوں کے مطابق صحیح ترین انداز میں پیش کیا؟

❁ کیا اسی مردِ قلندر کا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کو جنوبی ہند سے اٹھا کر شمالی ہند میں لا بسانا اور یہاں سے اپنی دعوت کے آغاز پر آمادہ کرنا ایک لاابالیانہ معاملہ تھا؟

پھر داعی قرآن بانی تنظیم اسلامی کا اس اولمپک ٹارچ کو لے کر آگے بڑھانا، اس فکر کے مختلف گوشوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح اور مبرہن کرنا، اسلامی انقلاب کے مختلف مراحل کو سیرت النبیؐ کی روشنی میں واضح کرنا اور نبی اکرم ﷺ کے وقت کے حالات اور آج کے حالات میں جو مختلف پہلوؤں سے فرق واقع ہو چکا ہے اس کی روشنی میں مسلح تصادم کے گوشے میں اجتہاد کر کے قابل عمل راستہ معین کرنا اور جماعت سازی کے لیے منصوص، مسنون، ماثور اور معقول طریقہ بیعت سمع وطاعت فی المعروف کا جو تار ابوالکلام آزادؒ کے بعد ٹوٹ چکا تھا، اس کا دوبارہ اجراء کرنا یہ تمام واقعات اور ان کا حیرت ناک تسلسل ایک خاص سمت میں اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے عالمی غلبہ کے نقطہ آغاز کے طور پر سرزمین پاکستان کو منتخب کر لیا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں ہونے والی متذکرہ بالا چار سو سالہ تجدید مساعی کی امانت اس وقت پاکستان کے پاس محفوظ ہے۔ قرآن مجید کے صغریٰ کبریٰ اور احادیث کے مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب ضرور آئے گا۔ غلبہ دین لازما ہو کر رہے گا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ضرور قائم ہوگی۔ اور اس خلافت کا آغاز ان شاء اللہ اسی سرزمین پاکستان سے ہی ہوگا۔ تنظیم اسلامی دور حاضر میں اس چار سو سالہ تجدیدی مساعی کی امین ہے اور اس کا بارگراں تنظیم کے کندھوں پر ہے۔ ❁❁❁

دجال اور دجالیت

الحمد للہ! بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دجال، دجالیت، فتنہ دجال جیسے موضوعات پر تفصیلی تقاریر کی ہیں اور ان کو موجودہ حالات سے جوڑا ہے۔ قرب قیامت کے حوالے سے ایک حدیث مبارکہ کے مطابق علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ منبر و محراب سے دجال کا ذکر ختم ہو جائے گا۔

مسند احمد میں ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں کہ دجال اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک لوگ اس کے ذکر سے غافل ہو جائیں اور یہاں تک کہ خطیب منبروں پر اس کا ذکر کرنا چھوڑ دیں گے۔ جبکہ صحیح مسلم میں موجود حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ تخلیق آدمؑ سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔ لہٰذا دجال اور دجالیت کا ذکر نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مصیبت کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لے اور سمجھے کہ مصیبت ٹل گئی ہے۔ بلکہ اس بارے میں آگاہی رکھنے ہی میں عافیت ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''جو شخص شر کو نہیں جانتا تو بہت امکان ہے کہ وہ اس شر میں مبتلا ہو جائے گا۔'' لہٰذا اس فتنہ سے بے خبر رہنے سے اس بات کا امکان قوی ہے کہ لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں۔ جیسا کہ اکثریت کا معاملہ ہو چکا ہے۔ آج دجالیت اپنے عروج پر ہے اور حالات کشاں کشاں خروجِ دجال کی طرف جا رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ'' کے مصداق میں ان تمام باتوں اور احتیاطوں کی سب سے پہلے اپنے آپ کو نصیحت اور پھر آپ کو مشورہ دوں گا۔

شیطان کی ازلی عداوت

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ شیطان دجالیت کی آڑ میں انسان کو گھیرنے اور اپنی لپیٹ میں لینے کیسے کیسے طریقے اختیار کر رہا ہے؟ اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھا کر کہا تھا ''تیری عزت کی قسم میں ان سب بنی نوع آدم کو گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے (سورۃ ص آیت 82 اور 83)۔ سورۃ الاعراف آیت 16 اور 17 میں شیطان اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہے: ''(پروردگار!) تو نے جو مجھے (آدم کی وجہ سے) گمراہ کیا ہے تو اَب میں لازماً ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا تیری سیدھی راہ پر۔ پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے' اور ان کے دائیں اور بائیں جانب سے' اور تو نہیں پائے گا ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا۔''

شیطانی حملے

آج ٹیکنالوجی کے دلفریب جال میں شیطان ہم پر کہاں کہاں سے حملہ آور ہو رہا ہے؟ میں یہاں مختصراً اپنی رائے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس پر تفصیل سے لکھنا تو راقم کے بس میں اس لیے نہیں کہ راقم کا تحریر و تصنیف کا قطعاً کوئی تجربہ نہیں۔ لہٰذا یہاں اختصار پر اکتفا کرنا ہوگا۔ پس کچھ امور کی طرف اشارہ ہی ہو سکے گا۔ تاکہ معاملے کی گہرائی اور گیرائی کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ میں یہاں صرف ان پھندوں یا فتنوں کی بات کروں گا جن کا تعلق ٹیکنالوجی خصوصاً سوشل میڈیا سے ہے۔ اور وہ موبائل فون اور کمپیوٹر کے استعمال سے ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سمارٹ فون

سمارٹ فون جس میں اینڈرائڈ اور ایپل فونز شامل ہیں، یہ ایسا gadget ہے جو ہماری زندگیوں پر پوری طرح اثر انداز ہو چکا ہے۔ بظاہر تو یہ بہت فائدہ مند نظر آتا ہے لیکن دوسری طرف ہماری ذاتی معلومات اور معمولات حسبِ ضرورت اپنے آقاؤں کو فراہم کرتا رہتا ہے۔ اس کے دونوں طرف کیمرے جو کہ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف ہمارے لیے ہیں، وہ ضرورت پڑنے پر ہمارا لائیو ویڈیو کسی بھی وقت اور کہیں بھی اپنے بنانے والوں کو دکھا سکتا ہے۔ گویا جو طاقتیں اس ٹیکنالوجی کو کنٹرول کر رہی ہیں، وہ ہماری تصاویر اور ویڈیوز جب چاہیں دیکھ لیں اور سن لیں۔ یہ بات ہمیں ماننی پڑے گی کہ جنہوں نے اس کو بنایا ہے انہوں نے اسے ہمارے فائدہ سے کہیں بڑھ کر اپنے مقاصد کے لیے بنایا ہے۔ آج ہم اپنی تمام معلومات بخوشی اور برضا و رغبت سوشل میڈیا میں ڈال رہے ہیں۔ ہمیں پسند کیا ہے، ہمارے خیالات کیا ہیں؟ ہمیں کیا بات خوش کرتی ہے اور ہم کس وجہ سے غمگین ہوتے ہیں؟ کس بات سے پریشان ہوتے ہیں، ہمارے رابطے میں کون کون لوگ ہیں؟ ہمارے مشاغل کیا ہیں؟ ہم تنہائی کے لمحات کیسے گزارتے ہیں؟ اور ہماری وہ باتیں جو صرف اور صرف ہم جانتے ہیں، ان سب کو دجالی نظام کے چلانے والے آج جاننے لگ گئے ہیں۔

سوشل میڈیا کے ساتھ ساتھ گوگل اور جی میل اور اس طرح کے Applications کو استعمال کرنے والوں کو کیا یہ پتا ہے کہ یہ Applications جانتی ہیں کہ میں روزانہ کہاں جاتا ہوں، کہاں کتنی دیر رکتا ہوں؟ آج ٹیکنالوجی کی مدد سے ان کا پورا پورا حساب رکھا جا رہا ہے جس کو ڈیٹا کہتے ہیں۔ دجال کے نمائندے اس بات پر شاداں و فرحاں ہیں کہ ہم اربوں ڈالر خرچ کر کے وہ معلومات حاصل نہیں کر سکتے جو ہر شخص بخوشی خود شیئر کر رہا ہے۔ دجال جب خدائی کا دعویٰ کرے گا تو اس طرح کے gadgets کی مدد سے وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ سننے والا، ہر جگہ دیکھنے والا اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوگا۔ یقین کیجئے وہ اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے اور ہمارے اس ٹیکنالوجی پر اعتماد اور اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے وہ ہمیں ہم سے بھی زیادہ جاننے کے قابل ہو جائے گا۔ سوشل میڈیا کے اندر میری ایک ورچوئل شخصیت موجود ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ کو اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ کہیں ویزہ یا امیگریشن کے لیے اپلائی کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ اور ویب پیجز وغیرہ بھی بتائیں۔ اب تو ہمارے معاشرے میں اس سے بھی آگے بات جا چکی ہے کہ کہیں اگر رشتے کی بات چل رہی ہوتی ہے لڑکے یا لڑکی کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اس سے اس کی شخصیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ گویا یہ پوری معلومات ہم بڑے اطمینان کے

ساتھ، خوشی اور شوق کے ساتھ شیئر کر رہے ہیں۔

اللہ کے ذکر سے دوری

شروع شروع میں ایس ایم ایس ایک پلیٹ فورم تھا، ابھی سمارٹ موبائل نہیں آئے تھے۔ پھر ایم ایم ایس کی سہولت آئی کہ پیغام کے ساتھ ساتھ تصاویر بھی ایک دوسرے کو بھیجی جانے لگیں۔ پھر ٹیکنالوجی میں ترقی ہوئی تو فیس بک اور یوٹیوب آ گئے۔ پھر واٹس ایپ، ٹویٹر، انسٹاگرام، ڈیلی موشنز، ٹک ٹاک وغیرہ اور بے شمار پلیٹ فارمز جنہیں موبائل ایمو اور کمپیوٹرز کے ذریعہ سے لوگوں کی ایک عظیم اکثریت کو ان کا عادی بنایا گیا۔ اب ہر شخص کے مزاج اور لیول کے مطابق ایک پلیٹ فارم دستیاب ہے۔ ان کے ذریعہ سے جو بے حیائی پھیلی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مذکورہ بالا پلیٹ فارمز ہمیں اتنا مصروف رکھتے ہیں کہ بار بار ہمارا ہاتھ اپنے موبائل کی طرف جاتا ہے اور اس کو ہم بار بار اوپن کرتے ہیں۔ بار بار ہم دیکھتے ہیں کہ کیا نئی خبر آئی، کیا نیا لطیفہ آیا، کیا نئی پوسٹ آئی وغیرہ۔ یہ ہمارا معمول بن چکا ہے۔ گویا اللہ کے ذکر، غور وخوض اور غور وفکر کے لیے وقت ہی نہیں، دن گزرتا ہے پتا ہی نہیں چلتا۔ بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، کھاتے ہوئے، ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہمارا موبائل چل رہا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الزخرف آیت 36 میں ارشاد ہے: ''جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے۔''

وقت کا ضیاع

کیا یہ بات درست نہیں کہ معلومات حاصل کرنے کے حسین فریب میں ہم وقت کا کس قدر ضیاع کرتے ہیں؟ نامناسب تصاویر ووڈیو کلپس یا پوسٹس سے ہم کس حد تک غض بصر کرتے ہیں اور کب اس طرح کی پوسٹس پر نظر ڈال لیتے ہیں؟ آج اگر ہر شخص اپنے آپ سے یہ سوال کرے تو اسے اس کا پورا پورا جواب مل جائے گا۔ حصول معلومات کے دلفریب جال میں آج ہمارے ایمان کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے اذہان اور ہماری سوچیں کس قدر سوشل میڈیا کے محتاج ہو چکے ہیں۔ سورۃ الزخرف آیت 36 کے لحاظ سے تو واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم اس سوشل میڈیا میں محو ہو کر اللہ کے ذکر سے کلیتاً غافل ہوتے جا رہے ہیں اور کیا ہمارے ایمان کی کمی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس آیت کی رو سے واقعی شیطان ہم پر مسلط ہو چکا ہے۔ یہ رحمٰن کو دور کرنے اور شیطان کو قریب کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ کسی ایسے پلان کا حصہ ہے جو ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے دور کر کے شیطان کے قریب کر دے؟ کیا اس تمام کام کی زد ہمارے ایمان اور ہماری روحانیت پر تو نہیں پڑ رہی؟ ان تمام سوالوں کا جواب اگر ہم تلاش کرنا چاہیں تو فتنہ دجال، دجالیت اور دجال کے حوالے سے احادیث کو سامنے رکھنا ہوگا۔ جس دور میں آج ہم ہیں اور آگے آنے والے حالات کیا ہیں اور جو باتیں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس حوالے سے ہمارے سامنے رکھ دی ہیں، ان سب کو اگر ہم اپنے مطالعہ، غور وفکر اور گفتگو میں رکھیں تو ہمارے سامنے ہر عقدہ کھلتا چلا جائے گا۔ اور یہ تمام دجالی نیٹ ورک ہمیں منسلک نظر آئے گا۔

برائی کی شناعت

سوشل میڈیا کے استعمال کے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ برائی کی شناعت کم بلکہ ختم ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح کا اخلاق باختہ مواد سامنے آتا ہے تو شروع شروع میں طبیعت میں اضمحلال ہوتا اور وہ مواد برا لگتا ہے لیکن وہ مسلسل روزانہ کی بنیاد پر نظر آنے لگے تو وہ معمول بننے لگتا ہے۔ اور پھر اس کی عادت ہونے لگتی ہے۔ اس طرح وہ برا نہیں رہتا۔

موسیقی

اسی طرح موسیقی کو لے لیں جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ روح کی غذا ہے۔ حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ روح موسیقی کی غذا ہے، موسیقی روح کو کھا جاتی ہے۔ اچھے خاصے دین دار لوگوں کے موبائلز کی رنگ ٹونز ہمیں بتاتی ہیں کہ انہوں نے موسیقی کو کتنا جائز سمجھ لیا ہے۔ آج کل موبائل کے جو نت نئے ماڈلز آ رہے ہیں، بغیر میوزک والی فون رنگ ٹونز آنا بند ہو گئی ہیں بلکہ نئی سے نئی میوزک ٹونز شامل کی جا رہی ہیں۔ کبھی سوچا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف شعوری طور پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ جن باتوں اور چیزوں کو ہم برائی سمجھتے تھے وہ اب ہمیں برائیاں نہیں لگ رہیں۔

غیرت وحمیت کا خاتمہ

اسی طرح اپنے خاندان کے افراد کی تصاویر شیئر کرنا بھی کوئی برائی نہیں رہا۔ کچھ عرصہ قبل لوگوں کی غیرت اور حمیت کا یہ عالم تھا کہ کوئی ان کی خواتین پر دوبارہ نگاہ ڈال لیتا تھا تو ہاتھا پائی تک نوبت آ جاتی تھی۔ اور اس فعل کو انتہائی گھٹیا شمار کیا جاتا تھا اور اب اپنی فیملی کی تمام خواتین اور بچیوں کی تصاویر جن جن اداؤں اور تیاریوں سے سوشل میڈیا پر لگائی جاتی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیرت نام تھا جس کا گئی ان کے گھروں سے۔ جو شخص اپنے اہل وعیال اور محرم عورتوں کے بارے دینی غیرت وحمیت سے خالی ہو یعنی ان کی بے پردگی، عریانی اور فحاشی کو دیکھے لیکن خاموش رہے تو وہ دیوث ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں ہے کہ اللہ ایسے شخص کی طرف روز قیامت دیکھے گا بھی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے: پہلا وہ شخص (دَیُّوث) جو اپنے گھر والی عورت کے سلسلے میں بے غیرت ہے، دوسری وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے، تیسرا وہ شخص جو شراب کا عادی ہے۔ صحابہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں تو معلوم ہے کہ مدمن خمر سے کون مراد ہے؟ لیکن دَیُّوث سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: وہ شخص جس کو پرواہ نہیں ہے کہ اس کے گھر والوں کے پاس کون آیا اور کون گیا ہے۔ پھر ہم نے کہا: یہ ''رجلۃ'' کیا چیز ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورت ہے۔ نور الدین الہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس میں بہت سے راوی مستور ہیں، اور ان کے بارے میں نہیں کہا گیا کہ وہ ضعیف ہیں، اور بزار وطبرانی نے مالک بن احمیر ؓ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ''صقور'' سے نہ فرض اور نہ سنت عبادت کو قبول کرتا ہے، تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: یہ ''صقور'' کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ شخص جس کے گھر کی عورتوں کے پاس نامحرم مرد داخل ہوتے ہیں۔ یہاں دیوث اور صقور کی جو خصوصیت بیان ہوئی ہے، وہ توجہ طلب ہے۔ جب گھر کی خواتین کی تصاویر اور وڈیوز سوشل میڈیا کی زینت بنتی ہیں تو ان کو کون کس نظر اور توجہ سے اور زوم کر کے دیکھتا ہے کسی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ کہاں چلی گئی وہ غیرت وحمیت؟ ہم جدید دور کے تقاضوں کے اتنے اسیر ہو گئے کہ دیُّوث اور صقور کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

نظر بد

بدنظری کے ساتھ ساتھ یہاں نظر بد لگنے کا ذکر بھی کرتا چلوں۔ لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ نظر بد کی تباہ کاری کیا ہوتی ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق نظر بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں پہنچا دیتی ہے۔ بدنظری اور نظرِ بد دونوں کے اثرات آج کل معاشرے میں ظاہر ہو رہے ہیں اور خاندان کے خاندان اجڑ رہے ہیں۔ رشتوں میں اعتماد ختم، غلط تعلقات کا جنم لینا اور بہت سی معاشرتی برائیاں اسی کا شاخسانہ ہیں۔

مرد و زن کا اختلاط

اسی طرح سوشل میڈیا پر اختلاط مرد و زن اس قدر آسان اور زیادہ ہو گیا ہے کہ کبھی سوچا نہ تھا۔ سب سے خوفناک معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی فرینڈ ریکوسٹ کسی خاتون کی طرف سے آتی ہے یا آپ کی پوسٹ کو کوئی خاتون یا کسی خاتون کی پوسٹ کو کوئی مرد لائیک یا کمنٹ کرتا ہے۔ اس سے تجسس پیدا ہوتا ہے کہ جانا جائے کہ یہ شخص یا عورت کون ہے؟ پھر اسی تجسس کا اگلا قدم ہوتا ہے کہ اس کے پروفائل کا مطالعہ کیا جائے، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ سوشل میڈیا پر آپ کی پروفائل آپ کی ورچول شخصیت کی مانند ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کا پروفائل کھولا تو پھر آگے سے آگے معاملہ وہاں تک پہنچ جاتا ہے جہاں شیطان اسے لے جانا چاہتا ہے۔

بلا تحقیق معلومات

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ بلا تحقیق بات آگے بیان کرے۔'' اس حوالے سے افسوسناک معاملہ یہ بھی ہے کہ لوگ فیس بک اور سوشل میڈیا پر نشر ہونے والی خبروں یا احادیث کو اتنا مستند اور یقینی سمجھنے لگے ہیں کہ ان کو پھیلانے میں لگ جاتے ہیں۔۔ گویا فیس بک یا گوگل پر جو بات آ گئی وہ حتمی ہے۔ قرآن و حدیث بھی پیچھے رہ گیا۔ معاذ اللہ!

پُرفتن دور

یہ تمام صورتحال اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہم شدید فتنے کے دور میں سے گزر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''فتنوں کے دور میں لیٹنے والا، بیٹھنے والے شخص سے، بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے شخص سے، کھڑا ہوا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے۔''

یعنی جو شخص اس نشے سے جس حد تک دور رہے، اتنا اچھا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے ''ایک وقت آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹی اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا تاکہ وہ اپنے ایمان کو فتنوں سے بچائے۔'' آپؐ نے فتنے کے دور میں گھر تک محدود رہنے کی بھی تلقین فرمائی ہے۔ اپنے آپ کو Secure (محفوظ) کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا جو کچھ ابھی تک عرض کیا گیا اس کا مقصد آگاہی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے، جو لوگ ان چیزوں کو استعمال کرتے ہیں وہ ان باتوں کو جانتے ہیں۔

سوشل میڈیا کا محتاط استعمال

گزارش یہ ہے جب آپ ان gadgets کو استعمال کریں تو تمام تر احتیاطوں کے ساتھ۔ اور اگر ہو سکے تو کم سے کم استعمال وہ بھی اس احتیاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ ہم ان gadgets پر کر رہے ہیں وہ دنیا میں بھی کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہو رہا ہے اور ڈیجیٹل دنیا میں کوئی چیز بھی ڈیلیٹ نہیں ہوتی، ہاں ڈیلیٹ کا بٹن دبانے سے ہمارے نظروں سے غائب تو ضرور ہو جاتی ہے مگر حقیقت میں نہیں۔

خوش نصیب لوگ

میں ان تمام لوگوں کو انتہائی خوش نصیب سمجھتا ہوں جو سوشل میڈیا اور گوگل وغیرہ کو استعمال نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ نہ صرف بے حیائی، بدنظری اور دیگر خرافات اور وقت کے ضیاع سے بچے ہوئے ہیں بلکہ وہ دجالیت کی نگرانی سے بھی کسی حد تک محفوظ ہیں۔ ایسے لوگ بہت قلیل تعداد میں رہ گئے ہیں۔

ڈیجیٹل اور دجالیت

قارئین محترم! مجھے میڈیا کی فیلڈ میں اٹھائیسواں سال ہے اور سوشل میڈیا سے بھی تقریباً گیارہ سال سے متعارف ہوں۔ الیکٹرانک اور سوشل میڈیا دونوں کے محدود مطالعے اور استعمال کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ''ڈیجیٹل اور دجالیت'' کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بھرپور مدد و معاون ہیں۔ اگر آپ بھی اس میڈیا کے فوائد و نقصانات پر غور کریں گے تو آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ سہولت اور معلومات کی آڑ میں ہماری باطنی اور ایمانی صورتحال کیا ہے۔

سوشل میڈیا کا استعمال

میڈیا چاہے پرنٹ ہو، الیکٹرانک ہو یا سوشل، یہ ایسی چیز ہے یا تو یہ اللہ کے لیے استعمال ہو رہی ہوتی ہے یا یہ اللہ کے خلاف استعمال ہو رہی ہوتی ہے۔ درمیان کی کوئی صورت نہیں ہے۔

بہرحال جو حضرات بھی اس کو استعمال کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ اسے دین کی اشاعت کے لیے استعمال کریں۔ ہر فرد اس بات کی پوری کوشش کرے کہ میری طرف سے جو بات بھی شیئر ہو وہ خیر ہو تاکہ وہ میرے لیے صدقہ جاریہ کا باعث ہو۔ سوشل میڈیا پیغام پہنچانے کا ایک جدید ترین اور مؤثر ترین ذریعہ ضرور ہے لہٰذا اس کو دین کے کام کے لیے تمام تر احتیاطوں کے ساتھ استعمال کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو آپ ﷺ نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اس وقت کے مروجہ طریقہ ابلاغ کو ذریعہ بنایا۔ اگر بریکنگ نیوز دینی ہوتی تھیں تو وہاں انسان عریاں ہو کر کوہ صفا پر چڑھ جاتا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کوہِ صفا پر تو کھڑے ہوئے لیکن عریاں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُس وقت نیٹ ورکنگ یا سوشل میڈیا کا ذریعہ عکاظ کے میلے ہوتے تھے۔ پورے عرب سے لوگ آتے تھے۔ ان میلوں میں تمام خرافات ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ وہاں اللہ کے پیغام کو پہنچانے جاتے تھے تاکہ اللہ کا دین غالب ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنا دامن پاک و صاف رکھتے تھے۔

آج کا سوشل میڈیا برائیوں کی آماجگاہ ہے لیکن کوشش کریں کہ اسے دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے استعمال کیا جائے۔ یا کم از کم اس کے استعمال کا مقصد دین کی دعوت و تبلیغ ہو۔ اس کام کے لیے مواد صرف اور صرف مستند ذرائع سے حاصل کریں اور تحقیق کے بعد اسے عام کریں۔ اس طرح یہ کام آپ کے لیے صدقہ جاریہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ جو بھی اس سے استفادہ کرے گا اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم۔ اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ آمین یارب العالمین!

❀❀❀

خصوصی خطاب امیر تنظیم اسلامی

محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

اَلحمدُ للّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین والصلاۃُ والسلامُ علی سید الانبیاء والمرسلین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ط بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) ﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ (سورۃ العصر)

صدق اللہ العظیم ○ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارك وسلم رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی ○ وَیَسِّرْ لِی أَمْرِی ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِی ○ یَفْقَهُوا قَوْلِی ○ وَاجْعَل لِّی وَزِیرًا مِّنْ أَهْلِی ○ (سورہ طٰہٰ)

آمین یارب العلمین

محترم رفقاء تنظیم اسلامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے علم میں ہے کہ اس وقت کا یہ خطاب ایک خاص تناظر اور پس منظر میں ہے۔ اللہ رب العالمین کی توفیق سے باہمی مشاورت کے بعد تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع بیس، اکیس، بائیس نومبر 2020ء کو بہاولپور میں ہونا طے پایا تھا۔ لیکن کرونا کی وباء کی حوالے سے حکومتی فیصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے مرکز کی سطح پر بھی مشاورت کی اور امراء حلقہ سے بھی مشاورت ہوئی جس کے بعد اس اجتماع کو منسوخ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ سورۃ التکویر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾﴾

''تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نہ چاہے۔''

اللہ کے اذن کے بغیر تو پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ ہم ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی تکمیل ہونا بہرحال اللہ کے اختیار میں ہے۔ بہرحال ہم نے اپنی سی پوری کوشش کی، ہمارے کئی رفقاء تو کئی دنوں سے اجتماع گاہ میں مسلسل موجود رہے، تیاریاں کرتے رہے، وہاں کے مقامی رفقاء بھی اس تیاری میں بھرپور طریقے سے شریک رہے اور دیگر علاقوں سے بھی رفقاء تنظیم اسلامی اور احباب نے اپنے تئیں تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں، خواہ وہ بسوں کی بکنگ ہو، ٹرینوں کی بکنگ ہو، جہاز کی بکنگ ہو، اس حوالے سے تمام تر تیاریاں پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھیں۔ بہرحال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالات کا جبر ہمارے اوپر آیا اور آپ کے علم میں ہے کہ ہم نے بہرحال یہ طے کر رکھا ہے کہ جب تک آخری اقدام کا مرحلہ نہ آجائے ہم نے قانون کی جو بھی پابندیاں ہیں ان کی حدود میں رہ کر معاملات کو آگے بڑھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہماری اجتماعیت اس سطح تک پہنچے کہ بالآخر کسی حتمی اقدام تک بھی ہم پہنچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی تربیت کی توفیق عطا فرمائے جو منہج انقلاب نبوی ﷺ کے مطابق ہو۔ بہرحال حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے مشاورت کے بعد تنظیم کے ذمہ داران پر اس بات کو چھوڑا کہ آیا وہ حلقہ کی سطح پر اجتماع کرنا چاہتے ہیں یا مقامی تنظیم کی سطح پر اجتماع کرنا چاہتے ہیں۔ باہمی مشاورت سے یہ طے پایا تھا کہ 22 نومبر کو یہ اجتماعات اپنے اپنے علاقوں میں رفقاء تنظیم کے ذمہ داران مل کر حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے منعقد کرنے کی کوشش کریں گے۔ آج الحمدللہ کئی مقامات پر یہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے اور یہ خطاب سالانہ اجتماع کا آخری خطاب سمجھیں، جس میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔

میں نے دس باتیں آپ کے سامنے رکھنی ہیں۔ لہٰذا میں اپنی باتیں ترتیب سے آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ دو باتیں پس منظر و منسوخی کے اعتبار سے ہیں اور تیسری بات بس یاددہانی ہے۔ وہ ہے سالانہ اجتماع کے مقاصد جو پہلے ویڈیو کی صورت میں آپ کے سامنے آچکا ہے اور بعد ازاں تحریری پیغام کی صورت میں بھی ندائے خلافت میں بھی شائع ہوا۔ اُمید ہے کہ تمام رفقاء تنظیم اس سے مستفید ہوئے ہوں گے۔ جنہوں نے استفادہ نہیں کیا تو وہ اس کو ملاحظہ کرلیں۔ اجتماع میں ایک دوسرے سے ملاقات، سفر کی مشقتوں کو جھیلنا، تربیت کے مواقع میسر آنا، اپنے رفقا کا دیدار، ان کی زیارت کرنا، ان چیزوں کا اجر وثواب بیان ہو چکا۔ اللہ کے نبی ﷺ کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت واجب ہوگئی ان لوگوں کے لیے جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ پورے پاکستان کی سطح پر نہ سہی، اپنے اپنے حلقوں کی سطح پر یا مقامی سطح پر تو یہ موقع ہمیں میسر آیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی محبت ہم سب کو عطا فرمائے اور اپنی نسبت سے میری اور آپ کی محبتوں میں مزید اضافہ عطا فرمائے اور اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہماری ایک دوسرے سے محبت صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو۔ اللہ کرے کے ان اجتماعات میں یہ سارے مقاصد پورے ہوں جن میں تعلیم وتربیت، ملاقات، رفقاء کا دیدار، ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانا، ایک ہی وقت میں فکر تنظیم کا اعادہ کرنا، اپنے مقاصد، اہداف کا اعادہ کرنا اور اپنی ذمہ داریوں کی یاددہانی ہیں۔ اس کے علاوہ کہاں کہاں کوتاہیاں ہو رہی ہیں اس کا ادراک بھی حاصل ہو جائے، احساس زیاں بھی ہو جائے اور ایک عزم اور حوصلہ لے کر ہم آگے بڑھیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے

ایک بات کا اظہار میں نے کسی اور موقع پر کیا تھا کہ بہرحال الحمدللہ امارت کی ذمہ داری جب میرے کاندھوں پر 8 اگست 2020ء کو آئی ہے تو اس کے بعد ستمبر، اکتوبر، نومبر میں پورے پاکستان کے حلقوں کا دورہ ہوا جس میں رفقاء سے ملاقات ہوئی اور بالمشافہ بیعت کا بھی معاملہ ہو چکا۔ اب دعا کیجیے کہ آگے اللہ تعالیٰ ہمیں مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آپ کے علم میں ہے کہ مرکز کی سطح پر ہم ایک سالانہ نظام الاوقات طے کرتے ہیں جس میں حلقوں کی سطح پر امیر تنظیم کے دورے بھی طے ہو جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ ان دوروں میں پھر آپ سے ملاقات کا سلسلہ رہے گا۔ چوتھی بات جو آپ کے سامنے رکھنی ہے وہ موجودہ منظر نامہ کے حوالے سے ہے۔ بانی محترم بھی اس کا بڑی شدومد سے تذکرہ فرماتے تھے، بس وہی اس وقت پیش نظر ہے اور وہ ہے ''دجالی تہذیب''۔ اب اس تہذیب کے اثرات اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم سیکولرازم کی بات کرتے تھے لیکن اب دہریت کا معاملہ اس سے بھی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ کبھی ہم گوگل پر سرچ کرتے تھے تو سب سے تیزی

سے پھیلتا ہوا مذہب اسلام آیا کرتا تھا، لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب اگر آپ تلاش کریں گے تو آپ کو تیزی سے بڑھتی ہوئی دہریت بھی نظر آئے گی، یعنی خدائے واحد کا انکار اور اسی کے اثرات مسلم معاشروں میں بھی آتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ سوشل فورمز پر ہماری نوجوان نسل ڈھکے چھپے الفاظ میں خدائے واحد پر بھی کلام کر رہی ہے۔ استغفر اللہ، اللہ ہمارے عقیدوں کی، ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ دجالی تہذیب کے اثرات تو بڑی شدومد کے ساتھ بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور پھر دوسری طرف اسلام دشمنی میں اس قدر اضافہ ہو رہا ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ریاستی سطح پر یہ مخالفت اور دشمن سامنے آ رہی ہے۔ پہلے توہین رسالت اور گستاخانہ خاکوں کا معاملہ انفرادی سطح پر تھا لیکن اب آپ نے دیکھا کہ فرانسیسی صدر نے ریاستی اور حکومتی سطح پر اس جرم کا ارتکاب کیا۔

پھر کرونا کا ہوا کتنا کھڑا ہوا وہ ایک الگ بحث ہے۔ اب اس کی ویکسینیشن کی بات آ رہی ہے اور اس میں بھی اس تہذیب کا ایک مکروہ چہرہ ہمارے سامنے آ رہا ہے کہ اس میں انسانی ہمدردی کی بات نہیں ہوگی۔ یعنی عدل وانصاف دنیا سے کیسے اٹھتا چلا جا رہا ہے وہ بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی بھی ہمارے سامنے آ رہی ہے۔ اسی طرح سوکالڈ جمہوریت کا جنازہ اُٹھتا بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ امریکہ جو جمہوریت کا چیمپئن کہلاتا تھا آج وہاں جمہوریت کے نام پر جو تماشا برپا ہے وہ بھی ٹرمپ کے بیانات اور فسادات سے خوب عیاں ہو رہا ہے۔ یہ اس جمہوریت کا مکروہ چہرہ بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہے۔ دوسری طرف اگر ہم دیکھیں تو بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کبھی polarization کی بات کیا کرتے تھے کہ مسلم معاشروں میں بھی polarization ہمیں نظر آ رہی ہے اور اللہ کرے ایسا ہو کہ یہ منافقت ختم ہو جو دائیں طرف رہنا چاہے رہے اور جو علی الاعلان کفر کی طرف جا رہا ہے وہ واضح ہو کر ہمارے سامنے آ جائے۔ لیکن آج ہم 57 مسلم ممالک میں polarization کو دیکھ رہے ہیں اور ان میں بالخصوص عرب ممالک سب سے آگے ہیں جن کے حکمران اقتدار کے لیے یہود ونصاریٰ کے ساتھ دھڑلے کے ساتھ تعلقات آگے بڑھا رہے ہیں۔ اس مرحلے پر قرآن کی وہ آیت یاد آتی ہے کہ:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ﴾ ''یہود ونصاریٰ کبھی تم سے راضی نہ ہوں گے کہ جب تک تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرلو''

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ polarization اب اور واضح ہو رہی ہے اور خاص طور پر عرب حکمران اب ریاستی سطح پر دنیا پرست ہونے کا علی الاعلان اظہار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جبکہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا بھی عارضی ہے اور دنیا سے محبت کرنے والا بڑے سے بڑا بادشاہ کیوں نہ ہو کبھی بچا نہیں ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہر نفس کو بہرحال موت کا مزہ چکھنا ہے

یہ عالمی منظر نامہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا۔ دوسری طرف اندرونی حالات ہم سب کے سامنے ہیں کہ ایک طرف معیشت ہماری ڈوب چکی ہے، مہنگائی کا طوفان اس قدر بڑھ چکا ہے کہ لوگ اپنے اہل وعیال سمیت خودکشیوں پر مجبور ہیں۔ تیسری طرف ہماری قومی سیاست جس طرح اندھیروں کی نذر ہو چکی ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ نظام کی تبدیلی کی باتیں کرنے والے بھی بس چہروں ہی کی تبدیلی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ سب کچھ بھی کھل کر ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ مزید برآں امیر اور غریب کا فرق بھی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یعنی وہ ظالمانہ نظام جو امیر کو امیر سے امیر تر کرتا چلا جائے، اور غریب کو غریب سے غریب تر کرتا چلا جائے اس نظام کا ظلم بھی اور زیادہ واضح ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پھر جس طرح عورتوں اور بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں، جس طرح عزت، جان اور مال محفوظ نہیں ہے تو یہ سب اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والا معاملہ ہے۔ حالانکہ یہ ملک ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اسلام یہاں پر نافذ نہیں ہے، شریعت نافذ نہیں ہے تو مال، جان، عزت وآبرو کچھ بھی محفوظ نہیں ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے تو یہاں اسلام کو نافذ کیا جائے۔ ہماری دنیا بھی سنور جائے گی اور اصل مسئلہ آخرت کا ہے وہاں پر بھی ان شاء اللہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

پانچواں نکتہ جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ بہت اہم ہے۔ جس طرح کا منظر نامہ ہمارے سامنے ہے، تاریکیاں ہیں کہ بڑھتی جا رہی ہیں، اندھیرے ہیں تو ایسے حالات میں ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرنا چاہیے، ہمارے کام میں اور تیزی آنی چاہیے، ہمیں مزید آگے بڑھ کر اقامت دین کی جدوجہد کو تیز کرنا چاہیے اور اسلام کے عادلانہ نظام کے لیے اپنا تن من دھن لگانا چاہیے۔ خوب کسی نے کہا ہے کہ اگر مغربی ممالک میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیوں کا معاملہ بڑھتا ہے تو ہمارا نبی اکرم ﷺ سے محبت کا اظہار، تعلق کا اظہار بھی بڑھنا چاہیے۔ اگر یہ تاریکیاں بڑھ رہی ہیں، یہ ظلم بڑھ رہا ہے تو جو اس ظلم کے خاتمے کی خواہش رکھتے ہیں اور عادلانہ نظام کے نام لیوا ہیں ان کی محنتوں میں اور اضافہ ہونا چاہیے، ان کی جدوجہدوں میں اور اضافہ ہونا چاہیے اور انہیں اور آگے بڑھ کر اپنا تن من دھن لگانا چاہیے۔ یعنی یہ حالات تو مجھے اور آپ کو جگانے کے لیے ہیں، ہماری جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لیے ہیں، نہ کہ ہم کم ہمت ہو کر بیٹھ جائیں، معاذ اللہ۔ مایوس ہو کر بیٹھ جائیں، اپنی چند نیکیوں تک محدود ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ پھر اس شخص کو بھی یاد کر لیجیے جس نے پلک جھپکنے جتنی دیر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اور اللہ حکم دیتا ہے فرشتے کو کہ پہلے اس کو عذاب دو پھر دوسروں کو عذاب دینا کہ ہماری نافرمانیاں معاشرے میں ہوتی رہیں اور اس کے چہرے کا رنگ بھی تبدیل نہیں ہوا، اللہ اکبر کبیرہ۔

ہمارے کرنے کا جو کام کیا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ آج گفتگو بھی ہمارے سامنے آ چکی کہ ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے، یہ بات بھی سامنے آ چکی کہ دعوت کیا ہے؟ کیوں ضروری ہے؟ اور کیسے دینی ہے؟ سمع وطاعت کے تقاضے بھی ہمارے سامنے آ چکے۔ کہیں ہم سبق بھول تو نہیں گئے یا اس میں کوتاہی تو نہیں کر رہے۔ اس میں سست تو نہیں پڑ گئے، بیٹھ تو نہیں گئے ہیں، ٹھنڈے تو نہیں پڑ گئے ہیں ان سب باتوں کا بھی جائزہ لینا ہے۔ اپنے ہدف کو واضح رکھیں۔ میرا اور آپ کا انفرادی ہدف رضائے الٰہی کا حصول، آخرت کی کامیابی ہے۔ جماعت کی سطح پر ہمارا ہدف اقامت دین کی جدوجہد ہے۔ خیر کے بہت سارے کام لوگ کر رہے ہیں۔ چند اداروں یا افراد نے چند لوگوں کو کپڑا پہنا دیا، کچھ بھوکوں کو کھانا کھلا دیا تو ایک فوری نتیجہ سامنے آتا ہے اور ایک اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی خدمت خلق ہے تو کیوں نہ اُس نظام کے قیام کی جدوجہد کی جائے جو چند افراد کی نہیں بلکہ لاکھوں افراد کی کفالت کا ذمہ لے، جبکہ آج بڑے بڑے شہروں میں بچنے والے دسترخوان بھی ناکافی ہیں۔ وہ جو بانی محترمؒ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک بستی میں دشمن گولے برسا رہا ہے، پچاس لوگ مر جاتے ہیں، پچاس زخمیوں کو لوگ ہسپتال لے جاتے ہیں۔ پھر دشمن گولا برساتا ہے، پھر پچاس مرتے ہیں، پچاس کو ہسپتال لے جایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بار بار لوگ مر بھی رہے ہیں اور جو زخمی ہوتے ہیں ان کو ہسپتال بھی لے جایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا اصل حل تو یہ تھا کہ

جا کر گولے مارنے والے کو ختم کر دو تا کہ مزید لوگ مرنے اور زخمی ہونے سے بچ جائیں۔ اسی طرح جو نظام بھوک، غربت اور مصائب بانٹ رہا ہے اس کو ختم کر دو تا کہ انسانیت کو فلاح نصیب ہو۔ یہ ہدف ہمارے سامنے رہے تا کہ ایک طرف لوگوں کو جینے کا حق ملے، ان کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ ہو اور دوسری طرف ان کو اللہ سے لو لگا کر اپنی اصل زندگی یعنی آخرت کی تیاری کا موقع مل سکے۔ انفرادی سطح پر میرا اور آپ کا نصب العین یہ ہے کہ اللہ ہم سے اللہ راضی ہو جائے اور ہمیں آخرت کی کامیابی مل جائے جبکہ جماعتی سطح پر ہمارا ہدف اللہ کی زمین پر اس کے نظام کو قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔

چھٹا نکتہ ہے دروں بینی یعنی اپنے جھانکنا۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ رمضان شریف کے ایک جمعہ کو توبہ کے موضوع پر خطاب کا موقع ملا تو میں نے بہت سارے گوشوں پر توبہ کے حوالے سے توجہ دلائی کہ ایک استاد کو بھی توبہ کرنی ہے، ایک ماں کو بھی توبہ کرنی ہے، ایک باپ کو بھی توبہ کرنی ہے، چاہے کوئی جج ہو، وکیل ہو، سیاستدان ہو، پارلیمنٹیرین ہو، تاجر ہو، امراء ہوں ان سب کو توبہ کرنی ہے، سپہ سالار کو بھی توبہ کرنی ہے تو آج میرا دل کر رہا ہے کہ میں عرض کروں کہ آج امیر تنظیم کو بھی توبہ کرنی ہے۔ آج میرے ایک ایک رفیق کو بھی توبہ کرنی ہے اور توبہ کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف تو کروں، میں اپنی غلطیوں کا اعتراف تو کروں، میں اپنی سستی کاہلی کا اعتراف تو کروں، کیا واقعتاً معیارِ مطلوب کے مطابق میں بطور امیر تنظیم اپنے آپ کو لگا رہا ہوں؟ کھپا رہا ہوں؟ کیا میں اپنی جان، مال، وقت، صلاحیتیں لگا رہا ہوں؟ اور ہر ہر سطح تنظیم کا ایک ایک ذمہ دار ایک ایک رفیق سوچے کہ کہاں کہاں میں نے کوتاہی کی ہے؟ جبکہ میں وعدہ اور بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہوا تھا۔ وعدہ کس سے ہے؟ اللہ سے؟ بیعت امیر کے ہاتھ پر ہے مگر وعدہ اللہ سے ہے اور جو ملتزم رفقاء ہیں ان کا وعدہ بھی اللہ سے ہے وہ سمع طاعت کا وعدہ ہے کہ ہر حکم مانوں گا، چاہے مشکل ہو یا آسانی، طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو، چاہے دوسروں کو مجھ پر ترجیح دے دی جائے، مجھے ہر حکم ماننا ہے سوائے اس کے کہ جو حکم شریعت کے خلاف ہو۔ کرنے کے بہت سارے کام ہیں، ایک لسٹ میں آپ کے سامنے رکھ بھی دوں گا۔ ہم نے دروں بینی کرنی ہے۔

ہم سب خطا کار ہیں اور یہ کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام انسان خطا کار ہیں مگر ان میں بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ میں آج تنظیم اسلامی کے امیر، ذمہ داران اور تمام رفقا کی توبہ کی بات کر رہا ہوں تو کہاں کہاں میں کوتاہی کر رہا ہوں؟ میں جائزہ لوں اور ہم سب اپنا اپنا جائزہ لیں۔ اللہ کی قسم باتیں سامنے آئیں گی کہ ہاں یہ میرے کرنے کا کام تھا، یہ میں نے کوتاہی کی ہے۔ یہاں مجھ سے غلطی ہوئی، یہاں میری ترجیحات بدل گئیں۔ یہاں میں سست پڑ گیا، یہاں میں رک گیا، کوتاہیاں ہم سب میں ہیں، اللہ ہم سب کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں ایک ایک جز کی بات نہیں کروں گا کہ کس کس ذمہ دار کی کہاں کہاں کوتاہی ہو سکتی ہے، کس کس رفیق کی کہاں کہاں کوتاہی ہو سکتی ہے۔ جزیات کی بات کرنا مقصود نہیں بلکہ اشارہ مقصود ہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو سچی پکی توبہ کی توفیق دے۔

ساتواں نکتہ رفقاء کے مطلوبہ اوصاف کے حوالے سے ہے۔ آپ کے علم میں ہے کہ جب میں نے حلقوں کے دورے کیے اور آپ سے سوال کیا کہ رفقاء کے مطلوبہ اوصاف کتنے ہیں اور آپ سب نے جواب دیا کہ دس ہیں تو ان دس کو یاد رکھنے کے لیے ایک ایک وصف کو ذرا دہرا لیجیے، میں نقباء سے گزارش کروں گا کہ اس کو اپنے اسروں میں رفقاء کو یاد کروائیں، اسی طرح مقامی امراء، امرائے حلقہ جات اپنے اپنے اسروں میں اس کے تذکرہ کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ العصر کی روشنی میں ہمیں تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی توفیق عطا فرمائے۔ میں آپ کے سامنے دس اوصاف نہیں رکھ رہا، وہ آپ کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ لیکن اگر میں اور آپ آج ان دس اوصاف کا ہدف لے کر جائیں، جیسے مطالعہ قرآن، سنت، تعامل صحابہؓ، اپنے باطن کا جائزہ، لٹریچر کا مطالعہ، تربیتی کورسز میں شرکت، علم دین میں اضافہ، داعی الی اللہ بننا، نظم کی پابندی، تنقید کے آداب اور انفاق فی سبیل اللہ، یہ سب ہمارے مطلوبہ اوصاف میں شامل ہیں۔ اگر ان پر ایک ایک کر کے ہم ایمانداری سے عمل کرنا شروع کر دیں تو ان شاء اللہ تنظیم میں حرکت سب کو نظر آئے گی۔ ابھی کرونا کی ایک اور لہر کا ذکر ہو رہا ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ ہمیں سستی کا شکار نہیں ہونا، ہمیں جمود کا شکار نہیں ہونا، ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ دنیا نے کمائی کے راستے اس کرونا کی لہر کے دوران بھی نکال لیے تو جنہوں نے آخرت کمانی ہے، جنہوں نے اللہ کو راضی کرنا ہے وہ تو دین کا کام کرنے کے لیے سو راستے نکالیں گے کیونکہ ان کا رب کہتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ﴾

''جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم لازماً ان کے لیے راستے کھول دیتے ہیں۔''

اگر ایسی کوئی صورت حال آ بھی جائے تو میں یہ طے کر لوں کہ میں جمود کا شکار نہیں ہوں گا۔ میں دین کا کام کرنے کے لیے، اپنے رفقاء سے ملاقات کے لیے، اپنے دین کے علم میں اضافہ کے لیے، اپنی تحریک کے معاملات کو اور آگے بڑھانے کے لیے سو راستے نکال لوں گا۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آٹھویں بات یہ کہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ بعض مواقع پر ہمیں کچھ تحفے دیا کرتے تھے۔ آج میرا دل کر رہا ہے کہ دو تین آیات بطور یاددہانی آپ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کروں کہ ہم کون لوگ ہیں۔ ہم وہ ہیں جن کو اللہ فرماتا ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ﴾

اللہ نے تمہیں چنا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک سوا لاکھ انبیاء کو چنتا رہا ہے۔ اب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اُمت محمد ﷺ کو چنا ہے۔ اب مجھے اور آپ کو چنا گیا ہے۔ کبھی اللہ کہتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾

ہماری کیا اوقات ہے کہ ہم اُس رب کے مددگار بنیں جو پوری کائنات کا خالق ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے دین کے کام میں لگیں تو وہ کہتا ہے کہ تم میرے مددگار ہو۔ کبھی وہ کہتا ہے: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠﴾

کبھی وہ کہتا ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ﴾

''اے اللہ کے نبیؐ مٹی آپؐ نے نہیں پھینکی مٹی اللہ نے پھینکی ہے اور ان کو قتل آپؐ نے نہیں کیا اللہ نے کیا ہے۔''

اس سے بڑھ کر روحانیت کا کوئی مرتبہ ہو گا؟ اس سے بڑھ کر قرب الٰہی کا کوئی مرتبہ ہو گا؟ بندہ عمل کر رہا ہے لیکن اللہ کہتا ہے کہ عمل تو نہیں کر رہا میں کر رہا ہوں! اللہ اکبر، اور مزید اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں کس کس طرح ترغیب دلاتا ہے: ﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ﴾

سورۃ النساء میں ذکر آتا ہے کہ کفار کو دیکھو، باطل پرستوں کو دیکھو، کس طرح انہوں نے اپنے باطل نظام کے لیے جانیں دی ہیں، ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو کس طرح انہوں نے باطل معبودوں کے لیے جان دی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم وہ چاہتے ہو جو وہ نہیں چاہتے۔ یہ تو دنیا کو چاہتے ہیں جبکہ تم اللہ کو

چاہتے ہو، تم آخرت کے طالب ہو، تم جنت کے طالب ہو تو وہ جانیں دے رہے ہیں تم کیا دے رہے ہو؟ میری ترغیب کا موٹیویشن کا لیول کتنا بڑھ جائے گا جب مجھے یقین ہو کہ مجھے تو اللہ چاہیے، مجھے تو آخرت چاہیے، اللہ ہم سب کو جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین

اسی تسلسل میں نویں بات کہ آپ کا امیر آپ کو ایک پیکج دے گا۔ امیر کیا پیکج دے سکتا ہے۔ پیکجز میں تو گاڑیاں ملتی ہیں اور آپ کے امیر کے پاس تو گاڑی بھی نہیں۔ وہ آپ کو کیا پیکج دے گا۔ الٹا یہاں تو اپنا مال لگانا ہے، ہاں اللہ کے نبی ﷺ نے جب آلِ یاسر کو کہا تھا ((اِصْبِرُوْا یَآ اٰلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃَ)) ''اے آلِ یاسر صبر کرو بے شک تمہارا ٹھکانہ جنت ہے'' اسی طرح جب اہلِ یثرب نے آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی اور یہ سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر ہم نے آپ سے کیے گئے وعدے پورے کیے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا تھا کہ تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ کیا آج بھی میرے پاس اپنے آپ کو بھی اور آپ کو بھی پیش کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی موٹیویشن ہو سکتی ہے۔ اس سے بڑا کوئی پیکج نہیں اور وہ پیکج کیا ہے؟ سمجھ لیجیے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آخری بندہ جو جہنم سے نکال کر جنت میں ڈالا جائے گا اس کی جنت اس دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی جس کو اللہ پاک تیار کیے بیٹھا ہے اور ہمارا رب ہم سے کہے گا ﴿سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾﴾ (سورہ یٰسین) ہم کو رب رحیم کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور آخری سب سے بڑی نعمت کیا ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حجاب کو ہٹا کر اپنا دیدار کرائیں گے اور پھر یہ وہی جنت ہے جہاں محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگی۔ اب اس سے اوپر کیا ترغیب وتشویق ہو سکتی ہے اور مسلم شریف کی روایت کا مفہوم ہے کہ ایک شخص جو دنیا میں غموں، پریشانیوں، مصیبتوں کا شکار رہا اس کو جنت کا ایک غوطہ دیا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی، وہ جواب دے گا نہیں میں نے کبھی کوئی تکلیف نہیں دیکھی اور مجھ پر تو کبھی کوئی پریشانی آئی ہی نہیں۔ یہ تو وہ شخص ہے جس نے جنت کا ایک غوطہ لگایا تو ایسا کہہ رہا ہے تو جو شخص جنت میں مستقل رہے گا اس کا عالم کیا ہوگا۔ ((اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الجنۃ الفردوس)) ''اے اللہ ہم تجھ سے جنت الفردوس کا سوال کرتے ہیں'' ہم سب کا داخلہ جنت الفردوس میں فرما آمین یارب العٰلمین۔

دسویں اور آخری بات میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور اس بات میں تین باتیں ہیں پہلی یہ کہ اللہ کے ساتھ تعلق کی مضبوطی ہونی چاہیے اور اس کے لیے تلاوت کا اہتمام ہونا چاہیے، ذکر و اذکار کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اللہ کا کام کرنے چلے ہیں، جب اس سے ہی تعلق نہ ہوگا تو اس کا کام کیسے ہوگا۔ دوسرا ذاتی اپنے اُسرے سے ذاتی رابطہ رکھیں۔ پاک مجھے بھی توفیق دے کہ امیر تنظیم اپنے مرکزی اسرہ سے ذاتی رابطہ رکھے۔ اسی طرح ہر سطح کا ذمہ دار اپنے ماموریں کے ساتھ ایک ذاتی تعلق قائم کرے اور اسے قائم رکھے اور نمبر تین ہر رفیق انفرادی دعوت کا کام کرے۔ ہر رفیق داعی دین بنے۔ یہ ہمارے اوپر فرض بھی ہے اور یہی کام ہمیں کرنا ہے۔ دعوت دے کر جماعت کو بڑھانا، مضبوط کرنا تاکہ پھر وہ موقع آئے کہ ہم اقدام کی سطح پر بھی جا سکیں۔ تو نمبر ایک اللہ سے تعلق، نمبر دو ذاتی رابطہ اور نمبر تین انفرادی دعوت کا اہتمام۔ یہ کام ہم سب کو کرنے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ میں آخر میں اس دعا کے ساتھ بات ختم کرتا ہوں: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾﴾ (البقرۃ) ﴿وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾﴾ (البقرۃ) ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ﴿۸﴾﴾ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری، آپ کی، ہم سب کی، بانی محترمؒ کی، رفقاء تنظیم، رفیقات تنظیم کی، ہمارے گھر والوں کی، تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر استقامت نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ ہماری محنتوں میں مزید برکت عطا فرمائے، اللہ پاک ہماری کمیوں، کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ اللہ پاک ہماری سستی کو معاف فرمائے، اے اللہ ہمیں آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کر دے، شرور سے پاک کر دے، دنیا کی محبت سے پاک کر دے، اللہ ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایثار اور قربانیاں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس اجتماعیت کی حفاظت فرمائے، اس کو تمام شرور سے محفوظ رکھے۔ اللہ ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھے۔ اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ اللہ اپنی محبت کی نسبت سے مجھے اور آپ کو محبت نصیب فرمائے۔ اسی محبت پر اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو جنت الفردوس میں جمع فرمائے۔ اللہ ہم سب کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ ہمارے رفقاء جو دنیا سے چلے گئے، ان کے گھر والے جو دنیا سے چلے گئے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفاء کاملہ عاجلہ، عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو عزت، نصرت اور غلبہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

❀❀❀

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ — دعائے مغفرت

☆ حلقہ کراچی وسطی، گلشن اقبال کے رفیق جناب محمد یامین وفات پاگئے۔

☆ حلقہ کراچی شمالی، سرجانی ٹاؤن کے مبتدی رفیق ڈاکٹر سیف اللہ خان جو مبتدی رفیق محمد دانیال خان کے والد ہیں، وفات پاگئے۔ برائے تعزیت (بیٹا) 0345-3222639

☆ حلقہ بہاولنگر کے معتمد عبدالجبار نور کے والد وفات پاگئے۔ برائے تعزیت: 0333-6314149

☆ مقامی تنظیم ہارون آباد شرقی کے رفیق محمد شفیق احمد (مستری) کے والد وفات پاگئے۔
برائے تعزیت: 0333-6321624

☆ مقامی تنظیم چشتیاں کے ملتزم رفیق ڈاکٹر محمد جاوید اقبال کے والد وفات پاگئے۔
برائے تعزیت: 0334-7103388

☆ حلقہ سرگودھا کے ناظم دعوت ثاقب قریشی کی خالہ وفات پاگئیں۔ برائے تعزیت: 0321-6079797

☆ حلقہ سرگودھا کے منفرد رفیق ثاقب علی کے تایا وفات پاگئے۔ برائے تعزیت: 0332-5800893

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔
قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

Revitalization of Faith: The Necessary Precondition of an Islamic Renaissance

Modern rationalistic and pseudo-scientific interpretations of Islam are quite alien to Islam itself and lack a direct link with the original mission of the Prophet *(SAAW)*. They are devoid of the spiritual message which is the heart of the Qur'anic revelation. They fail to appreciate Islam as a spiritual and metaphysical tradition. But since Islam is essentially based on inward faith known in Arabic as *Iman*, its renaissance can never be brought about without first reviving and indeed revitalizing the faith of a large part of the Muslim community. There is no denying the importance of political freedom and the independence of Muslim countries and these have undoubtedly contributed to generate greater awareness of Islamic values and ideals. Similarly, the idea of an Islamic way of life and confidence in its superiority over other ideologies has been useful to a limited extent and deserves our praise. The movements which were launched in the past, or those still engaged in advancing the cause of freedom are in fact contributing partially and in their own way, to the revival of the Islamic message. But the most real and fundamental task in this regard still remains to be done. It is imperative for the entire intelligentsia of the Muslim world to pay attention to – and whosoever realizes its real importance should strive for – the cardinal principle that a forceful movement be launched for reviving and revitalizing the *Iman* in the whole of the Muslim Ummah. In this way, Iman must be transformed from mere verbal attestation (*Qaal*) to an inward existential faith (*Haal*).

Iman is essentially attestation of, and inner faith in, some metaphysical truths. The first step towards attaining this faith is to believe more firmly in some truths even though they are not observable or perceptible, and to hold the things heard by the heart to be more trustworthy than the things heard by the ear. Belief in the unseen (*Iman Bilghaib*) is the first and foremost condition of *Iman* and this requires a radical change in the thought system and in the point of view of the believer. According to this new perspective, the whole order of creation should be taken as nothing more than a fleeting appearance or shadow, whereas the existence of Allah *(SWT)* should be felt as an eternally living Reality. Contrary to the view that the universe is a chain of eternally present and uncreated causes and effects, or that the world is governed by 'natural' forces and rigid mechanical laws, the Will of Allah *(SWT)*, His *(SWT)* design and purpose should be 'seen' and felt in operation at all times and in all parts of the cosmos. Matter is looked upon as insignificant, and the soul is thought to be man's essence. The locution *Insan* (man) is not to be attributed to man's animal and corporeal body but to the Divine spirit, the presence of which makes man superior to angels. Worldly life should appear to be transitory and unreal, and life Hereafter should alone be taken as real and ever-lasting. The pleasure of Allah *(SWT)* should be held as more valuable than the attainment of all the riches of this world. And, according to a saying

of the Prophet *(SAAW)*, the riches of this world should not even be assigned a value equal to a mosquito's wing. Let it be clearly and distinctly understood that unless and until a major portion of the Muslim Ummah really undergoes this profound transformation in thought and belief, the vision and the fond hope of an Islamic renaissance can never be realized.

The most effective way to implant and inculcate faith in the hearts of the Muslim masses is the company and fellowship of such deeply religious persons whose hearts and minds are illumined by Divine knowledge and by the light of faith – persons whose hearts are untouched by conceit, hypocrisy, rancor, and avarice. It was through ceaseless evangelist and disseminating work, teaching and exhortation as well as practical examples portrayed through their conduct of life, that a continuous chain of pious and God-intoxicated people kept the beacon of faith burning after the collapse of *Khilafah ala Minhaj al-Nubuwwah*. Even though the winds of Western atheism and materialism are blowing high in Muslim lands, yet one can find here and there persons whose hearts and minds are full of certitude and staunch faith. The need of the time now is that the movement for Islamic faith and Iman be popularized and extended far and wide so that each and every inhabited piece of Muslim territory does have a few dedicated and selfless preachers whose sole aim in life is the pursuit of Allah's *(SWT)* pleasure, individuals who, in obedience to the teaching of Prophet Muhammad *(SAAW)*, make religious and moral guidance of people their sole aim and ambition in life.

Source: An excerpt from "ISLAMIC RENAISSANCE: THE REAL TASK AHEAD".

رفقاء متوجہ ہوں ان شاءاللہ

''قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی'' میں

22 تا 24 جنوری 2021ء

(بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

مدرسین کورس (نئے و متوقع مدرسین کے لیے)

اور

مدرسین ریفریشر کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے،

نوٹ مدرسین ریفریشر کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ مدرسین سے گزارش ہے کہ دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ اسلام کا انقلابی منشور ☆ محاضرات حدیث

از: ڈاکٹر محمود احمد غازی

زیادہ سے زیادہ مدرسین رفقاء اس میں شامل ہوں،

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 021-34306041

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 042)35473375-78

رفقاء متوجہ ہوں ان شاءاللہ

''قرآن اکیڈمی 25 آفیسرز کالونی بوسن روڈ (عقب ملتان لاء کالج) ملتان'' میں

29 تا 31 جنوری 2021ء

(بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

نقباء کورس (نئے و متوقع نقباء کیلئے)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0331-7045701 ، 061-6520451

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 042)35473375-78

Vol: 30 Regd. No. C.P.L NO.114 No.02

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

ACEFYL SUGAR FREE COUGH SYRUP

Acefylline piperazine 45mg + Diphenhydramine HCl 8mg

پاکستان کا مقبول ترین

کھانسی کا شربت

شوگر فری

میں بھی دستیاب ہے

ہر قسم کی کھانسی میں یکساں مفید

PHARMA